جامعہ دارالسلام کا ایک دن

(یادیں)

ڈاکٹر ظہیر دانش عمری

ناشر

آتش اکیڈمی، کڈپہ

نام : جامعہ دارالسلام کا ایک دن

مصنف: ڈاکٹر ظہیر دانش عمری

سن اشاعت: 2024

ایڈیشن : تیسرا

صفحات: 36

قیمت : 40 روپئے

ناشر : آتش اکیڈمی، کڈپہ

ملنے کا پتہ:
ڈاکٹر ظہیر دانش عمری

8/209-5,Almas pet, Bismilla Nagar, Kadapa 516001

A.P Cell: 9701065617

ٹھک ٹھک ٹھک......نقیب صاحب دروازے کوکھٹکھٹا رہے ہیں، ان کی آواز گونج رہی ہے ''اٹھ جاؤ'' ''اٹھ جاؤ''، اسی دوران اذان کی سریلی آواز سماعت سے مصافحہ کرتی ہے، الصلوۃ خیر من النوم کی صداجب کانوں سے ٹکراتی ہے تو رہی سہی نیند بھاگ جاتی ہے، میں اپنا بستر چھوڑ دیتا ہوں، کمرے کے ساتھی یعقوب، ناصرالدین، احمداللہ، افضال اور ہدایت اللہ بھی نیند کی وادیوں سے ابھی ابھی لوٹے ہیں، جلدی سے برش لےکر وہ حمام کا رخ کرتے ہیں، ضرورت سے فارغ ہوکر مسجد کی جانب بڑھتے ہیں، اتنے میں ہمارے وارڈن صاحب ابو الفضل عمری ندوی صاحب کمروں کا معائنہ کرتے ہوئے آگے بڑھتے ہیں، اگرکوئی سوتا ہوامل جاتا ہے تو اس کا نام لےکر اپنائیت سے آگاہ کرتے ہیں پھرآگے بڑھ جاتے ہیں۔

میں بھی دوسرے ساتھیوں کے ہمراہ مسجد پہونچ جاتا ہوں، سبحان اللہ! کیسی شانداراورعظیم مسجد ہے، اس مسجد کا نام مسجد سلطان ہے، وسیع وعریض حوض کے ساتھ بیت الخلاء کی سہولت، اس حوض کا پانی موسم سرما میں اور ٹھنڈا ہوجاتا ہے، حوض سے وضوکرنا سرما کے موسم میں ہمارے لیے ایک آزمائش سے کم نہیں ہے۔ مسجد میں جماعت ٹھہر چکی ہے۔ غالبًا آج ہمارے قریبی دوست عارف الحق کی باری ہے، جواپنی شیریں آواز میں نماز فجر پڑھارہے ہیں، طلباء دوڑتے ہوئے آرہے ہیں، کسی کو اپنی ٹوپی کا ہوش نہیں تو کوئی کرتے کے سارے بٹن لگانا بھول گیا ہے، بھاگتے ہوئے آکر جماعت میں شامل ہورہے ہیں تاکہ جماعت نہ چھوٹ جائے اور نام نہ نوٹ ہوجائے۔

جی ہاں! جس شخص کی ایک رکعت بھی چھوٹ جاتی ہے اس کا نام نوٹ کرلیا جاتا ہے اوراسے دفتر نظامت میں حاضری دینی ہوتی ہے، ہمارے ناظم دکتورعبداللہ جولم صاحب نماز کے معاملے میں بڑے سخت واقع ہوئے ہیں، وہ طلباء سے نماز کے علاوہ دوسری کسی بھی چیز میں کوتاہی برداشت کرسکتے ہیں۔ ویسے یہ بات صحیح بھی ہے کہ اسلام میں نمازکوسب سے زیادہ اہمیت حاصل ہے غالبًا اسی لیے وہ نماز کے سلسلے میں اتنی سختی کرتے ہیں۔

امام صاحب نے سلام پھیرا، سارے ساتھی اپنی تسبیحات مکمل کرنے میں لگے ہوئے ہیں، کوئی اونگھ رہا ہے، کسی کی انگلیاں حرکت کررہی ہیں اور ذہن سورہا ہے، پھر دفعتًا ایک ایک کرکے بچے کھڑے ہورہے ہیں، لپک لپک کرقرآن کریم اپنے ہاتھوں میں اٹھارہے ہیں، اپنے مقرر کردہ مقام پر بیٹھ رہے ہیں، اصل میں ہر جماعت کے طلباء کے لیے ایک صف مخصوص کردی جاتی ہے، اس میں بھی وہ سیٹ کی ترتیب سے بیٹھتے ہیں، قرآن پڑھنے والے

پڑھ رہے ہیں، درسی کتابوں کا مطالعہ کرنے والے اپنے شغل میں منہمک ہیں، چند بچے آپسی گفتگو میں مصروف ہیں، مجھے بھی آج قرآن کے ہال میں نیند آرہی ہے، اصل میں رات سوتے ہوئے بہت دیر ہوگئی تھی، تنویر کا تازہ شمارہ آنے والا تھا، میں آخری سال اس رسالے کا مدیر تھا، تصحیح وادارت کی ذمہ داری مجھے سونپی گئی تھی، میرے نائبین مقصود حسین اور افضل خان تھے، افضل خان بس نام کے نائب مدیر تھے، ان سے کوئی کام ڈھنگ سے نہیں ہوتا تھا مگر تھے بڑے ذہین، مقصود حسین دبلے پتلے منحنی سے آدمی تھے، بہت فعال، چست، تنویر کا بیشتر کام وہ اکیلے کر دیا کرتے تھے، مجھے ان سے بہت سہولت رہی۔

فجر کا ہال ختم ہوگیا۔

عارف الحق نے کہا ''چائے پینے نہیں چل رئیں''۔ ''بالکل'' میں نے کہا۔

میں، عارف الحق، ناصر الدین چائے پینے کے لیے ہوٹل کی طرف رواں دواں ہیں، یہ ہمارا معمول ہے، ہم مسجد کے باب الداخلہ سے آہستہ آہستہ نیچے اتر رہے ہیں، بائیں طرف کلیہ کا ہاسٹل ہے، دائیں طرف آئی۔ ٹی۔ آئی دعوہ کی عمارتیں ہیں، تھوڑا آگے بڑھیں تو کلیہ کی درسگاہ ہے، یہ درختوں کی طویل قطار ہے، نہایت سلیقے سے تراشے ہوئے درخت خاندان کا کاعمر کے باغبانی کے شوق پر دلالت کرتے ہیں، اب ہم مالک بھائی کے ہوٹل تک پہونچ گئے ہیں،

''مالک بھائی! دو چائے ایک چائے نا'' (چائے نا، عمرآباد اور اطراف کے علاقوں میں دودھ کو کہتے ہیں) عارف الحق نے آواز دی۔

پھر وہ ورقی لینے کے لیے آگے بڑھے، تین زبردست ورقیاں کاغذات میں لپیٹ کر انہوں نے ہماری طرف بڑھائیں، ہم ورقی توڑ توڑ کر کھا رہے تھے، ورقی کا لطف اور مزہ ہی اور ہے، جامعہ دار السلام کی صبح اس وقت تک نہیں ہوتی جب تک کہ ورقی نہ کھائی جائے، عمرآباد میں جیسی ورقی کھانے کو ملتی ہے ویسی ورقی میں نے آج تک کہیں بھی نہیں کھائی، جب ہوٹل تک پہونچ ہی گئے ہیں تو چائے کی قسمیں جانتے چلیں، چائے کی یہاں کئی قسمیں ہیں، ڈسکو، لائٹ، میڈیم، ڈبل شکر، ملائی مار کے وغیرہ۔ میں سمجھتا ہوں کہ مولانا ابوالکلام آزاد اگر عمرآباد آتے، عمرآباد کی چائے پیتے تو یقیناً یہاں کی چائے کے قائل ہوجاتے۔

چائے سے فراغت کے بعد ہم اٹھ کھڑے ہوئے، طلباء جوق در جوق آرہے ہیں، شراب ''الصالحین'' (ہمارے استاذ محترم حافظ ظفر الحق طالبؔ نائطی چائے کو شراب الصالحین کہتے ہیں) سے اپنی پیاس بجھا رہے ہیں، ہم

ہوٹل سے باہر نکلے، بائیں طرف کل تین عمارتیں نظر آ رہی ہیں، ایک مسجد عمر آباد ہے، دوسری تحفیظ القرآن کی بلڈنگ ہے، تیسری خوبصورت دیدہ زیب عمارت کا کا عمر لائبریری کی ہے۔

''لائبریری جانا ہے'' میں نے کہا۔ ''سونا ہے'' عارف الحق نے کہا۔

عارف الحق کو اللہ تعالیٰ نے بے حد ذہانت سے نوازا تھا، مگر مشکل یہ تھی کہ وہ سوتے بہت تھے، امتحان ہال میں جانے کے لیے ابھی دس منٹ باقی ہیں تو وہ پانچ منٹ سوتے تھے، پھر امتحان ہال کی راہ لیتے، اس کا یہ مطلب نہیں کہ میں کم سوتا تھا، نہیں! میں بھی سونے میں کسی سے کم نہیں تھا، کلاس کی پہلی گھنٹی آٹھ دس کو لگتی، اور دوسری آٹھ بج کر پندرہ منٹ پر، میں برابر آٹھ دس تک سوتا رہتا تھا، رہے ناصر الدین محمد تو وہ کبھی سونے کے لیے نکل جاتے، کبھی تفریح کے لیے جاتے یا کبھی میرے ساتھ لائبریری آتے۔

بہرکیف! اس خوبصورت عمارت کا نام کا کا عمر لائبریری ہے، دائیں بائیں سوکھے ہوئے درخت ہیں، بجلی کا ایک ٹوٹا ہوا کھمبا ہے جو یقیناً کبھی واقعی بے حد خوبصورت و دیدہ زیب رہا ہوگا، اب میں نے لائبریری میں داخل ہونے کے لیے اپنی چپل نکال کر دائیں طرف رکھ دی، لائبریری میں کل چار بڑے کمرے ہیں جو کتابوں سے بھرے ہوئے ہیں، قرآن وحدیث، علوم قرآن اور علوم حدیث کی کتابوں کا ذخیرہ سب سے بڑا ہے، اب ان کتابوں کو دیکھتے ہیں تو حیرت ہوتی ہے کہ اس دور میں جب وسائل نہ ہونے کے برابر تھے، کا کا ابراہیم نے کتابوں کے جمع کرنے کے سلسلے میں کیسی محنت، مشقت، جد وجہد کی ہوگی۔ ان کتابوں کو دیکھ کر قائل ہونا پڑتا ہے کہ یقیناً کا کا ابراہیم علم اور اہل علم سے محبت کرنے والے تھے، میں علوم اسلامیہ سے متعلق کتابوں کو بہت کم ہاتھ لگاتا تھا، الا یہ کہ میری کوئی تقریر ہوتی، تیاری کے لیے مجھے کوئی موضوع دیا جاتا یا مجھے مقالہ لکھنا ہوتا تو میں علوم قرآن، علوم حدیث کے شعبے میں نظر آتا، ورنہ میں بہت کم اس شعبے میں داخل ہوتا تھا۔

ادب کے شعبے میں کاوش بدری مرحوم سے حاصل کی ہوئی کتابوں کی تعداد بکثرت تھی، سچ یہ ہے کہ ان کی کتابوں سے سب سے زیادہ میں نے استفادہ کیا ہے، میں نے اس لائبریری میں جوشؔ کی ''یادوں کی بارات'' پڑھی ہے، بہت ڈوب کر پڑھی ہے، اس کتاب کو ختم کرنے کے لیے مجھے غالباً تین دن کا عرصہ لگا تھا، آپا حمیدہ اختر حسین رائے پوری کی ''ہمسفر'' بھی یہی پڑھنے کا اتفاق ہوا، آپا کے اسلوب، انداز بیان کے سحر میں کئی دن کھویا رہا، رفعت سروش کی ''اور بستی نہیں دل ہے'' پڑھنے کی سعادت بھی مجھے عمر لائبریری میں حاصل ہوئی، ایس۔ فضیلت کا ناول ''محلوں کے اندھیرے'' کا مطالعہ بھی میں نے اسی ہال میں کیا ہے، ایسا خوبصورت ناول میں نے آج تک نہیں

پڑھا، زبان کے تخلیقی استعمال کے ساتھ ساتھ اسلوب کی ندرت اپنی طرف بری طرح کھینچ رہی تھی، پھر میں کیسے اس کے سحر میں گرفتار نہ ہوتا، ادا جعفری جو پاکستان کی سب سے معمر اور محترم شاعرہ ہیں، ان کی خودنوشت ''جو رہی سو بے خبری رہی'' کئی دن کے مسلسل مطالعے کے بعد ختم کی، اس سے اتنا متاثر ہوا کہ ایک مضمون اس کے حوالے سے لکھا اور کئی رسائل کو بھیج، غالباً پرواز ادب میں شائع ہوا۔

اور ایسی بہت سی کتابیں میں نے عمر لائبریری سے پڑھی ہیں، مطالعے کا یہ موقعہ فراہم کرنا یقیناً عمر لائبریری کا مجھ پر احسان ہے جسے میں تاحیات بھلا نہیں سکتا، مصحف کے قدیم شماروں کے مطالعے سے آنکھوں کی روشنی میں اضافہ ہوا، عامر عثمانی کے تجلی کے دیدار سے دل کو سرور ملا۔

تعلیمی سال کی ابتداء میں لائبریری خوب بھری بھری رہتی، طلباء خوب خوب مطالعہ کرتے، مگر جیسے جیسے وقت گذرتا جاتا کتب خانے میں بچوں کی تعداد میں کمی آتی رہتی، یہاں تک کہ سال کے آخر میں ایک یا دو طالب محو مطالعہ رہتے۔

اب لائبریری سے واپس ہوتے ہیں، غالباً 7:50 کا عمل ہے، میں بستر میں دبک جاتا ہوں، بیس منٹ گہری نیند لے کر اٹھتا ہوں، ہمارے ساتھی ناشتے سے فارغ ہو چکے ہیں، سب کلاس جانے کی تیاری میں مصروف ہیں، بعض صابون لے کر حمام کی طرف جا رہے ہیں، کوئی حمام سے واپس آ رہا ہے، کوئی تولیے سے اپنا چہرہ پونچھ رہا ہے، کوئی الماری سے اپنی کتابیں نکال رہا ہے، آٹھ بج کر دس منٹ پر ابھی کلاس کی گھنٹی بجی، میں ہڑبڑا کر اٹھ بیٹھا، منھ پر پانی کے چھینٹے مارے اور کتابیں لے کر تیزی سے کلاس کی طرف چلنے لگا، سانس پھولنے لگی، پسینہ آنے لگا، مگر ان سب کی پرواہ کیے بغیر ہم کلاس کی طرف جا رہے ہیں، کیونکہ دیر ہونے کی صورت میں جامعہ کے نائب ناظم مولانا اطہر حسین عمری مدنی کی قہر آلود نگاہوں کا نشانہ بننا پڑے گا، یہ ہمیں مطلق پسند نہیں۔

یہ آٹھویں جماعت ہے، دوسرے لفظوں میں آپ اسے فضیلت سال آخر بھی کہہ سکتے ہیں، کلیہ اور ثانویہ کی سب سے بڑی جماعت، آٹھویں جماعت کے طلباء بہت ہی وقار اور سکون کے ساتھ بیٹھے ہوئے ہیں، استاد آیا چاہتے ہیں، پہلی گھنٹی صحیح بخاری کی ہے، اسے پڑھانے کے لیے ابھی دکتور عبداللہ جولم عمری مدنی تشریف لائے، جو تقریباً ۲۴ سال سے حدیث پڑھا رہے ہیں، احادیث کا بہت بڑا ذخیرہ آپ کے دماغ میں محفوظ ہے، اللہ تعالی نے آپ کو بے مثال حافظہ عطا کیا ہے، ہر ہر مسئلے کے لیے احادیث کے متون کا حوالہ اگر کسی سے سننا چاہتے ہیں تو وہ دکتور عبداللہ جولم عمری مدنی ہیں، جو آج کل جامعہ دارالسلام کے ناظم ہیں۔

ہماری جماعت کے ساتھیوں کے نام بھی سن لیجیے، یہ رانی بنور کے شکیب عالم ہیں، یہ ناصرالدین محمد ہیں جو شاہ آباد سے تعلق رکھتے ہیں، یہ بالے ہنور کے عارف الحق ہیں، یہ وجے واڑہ کے عرفان اللہ ہیں، یہ لوگ حماد، امین، عرفات بھی وجے واڑہ سے تعلق رکھتے ہیں، یہ قراء کی سرزمین پرنام بٹ سے تعلق رکھنے والے بہترین قاری اورابن قاری ابوبکرامین الرحمٰن ہیں جو اپنی آواز کی حفاظت بڑے جتن سے کرتے ہیں، یہ کڈپہ کے این۔سعادت اللہ ہیں جن کی آواز بھی کافی سریلی ہے، یہ جو بالکل انگریز معلوم ہورہے ہیں نا! یہ جاوید اختر اعظمی ہیں، جو شاعر بھی ہیں، ادیب بھی، ناقد بھی، شاعری کی مختلف اصناف میں طبع آزمائی کرنے کے ساتھ ساتھ مختلف رسالوں کے لیے مسلسل لکھتے رہتے ہیں، عاجزی انکساری کا مجسمہ ہیں، یہ جوان کے دائیں طرف بیٹھے ہوئے ہیں وہ افضال احمد اعظمی ہیں، یہ بھی ماہنامہ نوررامپور میں کافی شائع ہوتے رہتے ہیں، یہ دبلے پتلے منحنی سے جو صاحب نظر آرہے ہیں وہ شاہنواز اختر ہیں، اللہ نے اچھی آواز سے نوازا ہے، پڑھنے میں بھی اچھے ہیں، مقالات بھی دلچسپی سے لکھتے ہیں، یہ جو گھبرائے گھبرائے سے نظر آرہے ہیں، وہ کرنول کے یوسف ہیں، صوت الاسلام اورصراط مستقیم میں ان کے مضامین شائع ہو چکے ہیں، یہ پستہ قد انسان ریاض پاشا ہیں جو بڑی محنت سے تقریر کرتے ہیں، کرنول سے تعلق رکھتے ہیں، یہ کیرلا کے عبدالرحیم ہیں جو اپنی خوبصورت آواز کا جادو ہر جلسے میں جگاتے رہتے ہیں، نظموں کو نئے نئے طرز اور لحن میں پڑھنا ان کی خصوصیت ہے۔

یہ گیسودراز صاحب کسی مزار کے مجاور نہیں بلکہ ہمارے ہی ایک ساتھی مظہر ہیں، ان کا تعلق پونا سے ہے۔ یہ بنگال کے رہنے والے مظہرالاسلام ہیں۔ یہ آسام کے بلال الدین ہیں جو امتحانوں میں بڑی محنت کرتے ہیں۔ یہ شرمیلی طبیعت کے مالک مصدق حسین آمبوری ہیں۔ یہ جمیل ہیں جو آمبور ہی سے متعلق ہیں، ہمیشہ مسکراتے رہتے ہیں۔ یہ لمبے سے جو صاحب نظر آرہے ہیں وہ ادونی کے آر۔محمد یعقوب ہیں۔ یہ اڑیسہ کے جریر ہیں۔ یہ بھیونڈی کے ارشاد ہیں۔ یہ صحت منداونچے لمبے قد والے صاحب آدونی کے ارشاد ہیں۔ یہ حیدرآباد کے احمد بن محمد ہیں۔ یہ پستہ قد حضرت جی۔محمد عبدالرحمٰن ہیں جنہیں اللہ تعالیٰ نے حسن تحریر وحسن صوت سے نوازا ہے، ہمارے بہنوئی محمد موسیٰ جامعی کے شہر یمگنور سے تعلق رکھتے ہیں۔ یہ گڈی واڑہ کے فاروق ہیں جو تلگو تحریر کا اچھا ذوق رکھتے ہیں۔ یہ راجمندری کے شاکر ہیں۔ یہ سیونی کے احسان خان ہیں جو مطالعے کا ذوق رکھتے ہیں۔ یہ رائیدرگ کے شعیب ہیں، چندسال قبل ان کی آواز بہت اچھی تھی، عامر عثمانی کی غزلیں بڑی خوبصورت آواز میں پڑھتے تھے۔ یہ سیونی کے شاہد ہیں۔ یہ جو لنگی شرٹ پہنے ہوئے اپنی دنیا میں مست رہنے والے صاحب ہیں یہ ظہیر دانش ہیں، جو

کڈپہ کے رہنے والے ہیں۔ یہ پستہ قد جناب صدیق الاسلام ہیں، جو بنگال کے ہیں۔ یہ گورے چٹے صاحب ہریانہ کے عبیداللہ ہیں۔

یہ ہماری اور ہمارے ساتھیوں کی کہکشاں ہے، جس میں کوئی لکھنے میں ماہر ہے تو کوئی بولنے میں، کوئی اچھی طرح قرآن پڑھتا ہے تو کوئی کھیلنے میں مہارت رکھتا ہے، کوئی قلم کا دھنی ہے تو کوئی زبان و بیان کا۔ گویا ایں خانہ ہمہ آفتاب است والی صورت حال ہے، ان میں سے کوئی آج کسی مدرسے کا استاذ ہے تو کوئی کسی مسجد کا امام، کوئی قطر میں امامت کی خدمت انجام دے رہا ہے تو کوئی کسی درسگاہ سے منسلک ہے۔

آگے بڑھتے ہیں، دکتور عبداللہ جولم عمری مدنی بخاری پڑھانے کے لیے آگئے ہیں، ماشاء اللہ کیا علمی نکات بیان کررہے ہیں، مسائل بتارہے ہیں، حدیث کی تشریح کررہے ہیں، طلباء کے اشکالات کا جواب دے رہے ہیں، تشریح کی ضرورت نہیں سمجھی تو آگے عبارت پڑھنے کا حکم دے رہے ہیں، ہمارے ساتھی شعیب بڑی روانی اور تیزی سے پڑھ رہے ہیں، شاید آج ان کی باری ہے۔

جولم صاحب کے پڑھانے کا انداز بڑا دلچسپ ہے، اگرچہ آپ نیپال کے ہیں، مگر اردو عربی بڑی روانی سے بولتے ہیں، بہت آسان زبان استعمال کرتے ہیں، ہر مسئلہ کے مالہ وماعلیہ سے واقف کراتے ہیں، کسی بھی مسئلے کی دلیل کے طور پر قرآن وحدیث سے بے شمار دلائل پیش کرتے ہیں، ہر مسئلے میں وہ اپنی واضح رائے رکھتے ہیں جو ان کے صاف گو اور حق گو ہونے کی دلیل ہے۔ بہت سادہ انسان ہیں، زیادہ تکلف کو پسند نہیں کرتے، مسائل میں سائل کو قائل کرنے کی خاص صلاحیت اللہ نے آپ کو ودیعت کی ہے، طلباء کے چھوٹے سے مسائل سے لے کر بڑے مسائل تک حل کرنے میں دلچسپی رکھتے ہیں۔

لیجیے! دیکھتے ہی دیکھتے پہلی گھنٹی ختم ہوگئی، دکتور صاحب چلے گئے، ''حجة الله البالغة'' پڑھانے کے لیے مولانا ڈاکٹر سعید احمد عمری تشریف لائیں گے، جو قرآن کریم سے خاص شغف رکھتے ہیں، اس حوالے سے انہوں نے Ph.D کی ہے، جب قرآنیات پر بولنا شروع کرتے ہیں تو بولتے چلے جاتے ہیں، جی چاہتا ہے کہ وہ یونہی بلا توقف بولتے رہیں، مولانا کو سننے کا موقع کا ئی بار حاصل ہوا پھر بھی تشنگی باقی ہے، ہمیشہ یہی آرزو لے کر مولانا کی مجلس سے اٹھتے ہیں کہ کاش مولانا کچھ دیر اور بولتے۔

مولانا جب سے تنویر کے نگراں کے مقرر ہوئے، تنویر نے بہت ترقی کی، دارالسلام کے کئی خصوصی شمارے آپ کی نگرانی میں شائع ہوئے، خود میں نے مولانا کو کئی بار تنویر کے بارے میں بے حد فکرمند دیکھا، اس کی

وجہ یہ ہے کہ آپ کی طبیعت بے حد حساس ہے، جو ذمہ داری بھی آپ کو سونپی جاتی ہے اسے احسن طریقے سے نبھانے کی مکمل کوشش کرتے ہیں، یہ آپ کا وصف خصوصی ہے۔

''حجۃ اللہ البالغۃ'' پڑھانے کا انداز نرالا ہے، شاہ صاحب کی یہ کتاب ویسے بہت مشکل ہے مگر مولانا اسے بیحد آسان کر دیتے ہیں، ہم لوگ عموماً مولانا سعید احمد پالنپوری کی پانچ جلدوں میں لکھی ہوئی حجۃ اللہ البالغۃ کی شرح ''رحمۃ اللہ الواسعۃ'' سے استفادہ کرتے ہیں، مگر چند مباحث کی شرح متن سے زیادہ مشکل ہے اس کے لیے مولانا (سعید عمری صاحب) کے نوٹس کا سہارا لینا ناگزیر ہوتا ہے، دراصل وہ بہت سی ایسی باتیں اپنے مطالعہ کی بنیاد پر بتلاتے ہیں جن کا کسی کتاب یا شرح میں ملنا بہت مشکل ہے۔

میں اس بات کی بڑی کوشش کرتا تھا کہ مولانا کی کہی ایک بات بھی قید تحریر میں آنے سے نہ رہ جائے، اکثر میں کامیاب بھی ہوتا تھا، مگر افسوس مجھ سے حجۃ اللہ البالغہ کی وہ کاپی کھوگئی ہے جو میں نے دوران درس تیار کی تھی، اگر آج وہ موجود ہوتی تو اہل علم کے لیے ایک قیمتی سرمایے سے کم ثابت نہ ہوتی۔ ناچیز کو اس بات کا بھی بے حد افسوس ہے کہ مولانا سے جتنا استفادہ مجھے کرنا چاہیے تھا وہ میں نے نہیں کیا۔ حالانکہ آپ نے ہماری رہنمائی کی حتی المقدور کوشش کی، ہمیں صحیح مشورے دیے، ہمارے ساتھ اپنے بچوں کی طرح سلوک کیا، یقیناً اللہ تعالیٰ اس کا اجر آپ کو قیامت کے دن دے گا۔

ہفتے میں تین دن حجۃ اللہ کے لئے اور بقیہ تین دن عقیدۂ طحاویہ کے لئے مختص تھے۔ عقیدۂ طحاویہ کی گھنٹی ہے، مدرس ہیں مولانا اطہر حسین عمری مدنی، اس سے قبل ہم نے آپ سے سراجی اور مفصل پڑھی ہے، بڑے محنتی، طلباء کے حق میں بے حد مشفق استاد ہیں، آپ اپنے درس میں اس بات کی بھرپور کوشش کرتے ہیں کہ طالب علم کو بات پوری طرح سمجھ میں آجائے، آپ ہی جامعہ دارالسلام کے نائب ناظم ہیں، جب تک طالب علم کے بارے ان کو یقین نہ ہوجاتا کہ یہ چھٹی کا مستحق ہے ہرگز ہرگز چھٹی عطا نہ کرتے، یہ اصل میں طلباء کے ساتھ شفقت کی انتہاء ہے کہ طالب علم کا ایک درس بھی ناغہ ہونے پائے، طالب علم خواہ کتنا ہی ذہین کیوں نہ ہو وہ استاد کے برابر نہیں ہوسکتا، اس لیے ہر طالب علم کا ہر کلاس میں حاضری دینا، براہ راست استاد سے درس لینا ضروری ہے۔

آپ تکیہ کلام کے طور پر ''اس طرح سے'' استعمال کرتے تھے، دوران درس بکثرت اس طرح سے اس طرح سے کہتے تھے، چند شریر قسم کے طلباء با قاعدہ شمار کرتے تھے کہ مولانا نے آج کے درس میں ''اس طرح سے'' اتنی مرتبہ فرمایا ہے، اگر کوئی طالب بے تکا سوال کرتا تو اسے ایسا جواب دیتے کہ طالب علم بھونچکا رہ جاتا۔

یہ تیسری گھنٹی ہے، جو بیضاوی کے لیے مختص ہے، شیخ التفسیر مولانا عبدالکبیر صاحب تشریف لانے والے ہیں، آپ نے راہ اعتدال میں مسلسل جن کے دروس قرآن سے استفادہ کیا ہے وہ حضرت کے ہی افادات سے مرتب کیے گئے ہیں، فوزی تخلص فرماتے ہیں، جامعہ کے سب سے قدیم استاذ ہیں، بڑے ہی نرم مزاج، انہیں دیکھ کر اسلاف کی یاد آجاتی ہے، اگر آپ نے قدیم بزرگوں کو دیکھنے کا شرف حاصل نہ کیا ہو کہ ان کے عادات واطوار کیسے ہوتے تھے؟ انداز گفتگو کیا تھا؟ اپنے برابر والوں سے، اپنے بڑوں سے اور اپنے چھوٹوں سے وہ کیسا سلوک روا رکھتے تھے؟ تو گھبرانے کی ضرورت نہیں! شیخ التفسیر حافظ عبدالکبیر صاحب کی زیارت کرلیں، ان شاء اللہ آپ کی دیرینہ آرزو پوری ہوجائے گی۔

مولانا جب تفسیر بیضاوی پڑھاتے ہیں تو پیرانہ سالی اور ضعف کے باوجود آواز بلند سے بلند تر ہوتی چلی جاتی ہے، برسوں سے بیضاوی پڑھا رہے ہیں مگر آج بھی پڑھانے سے قبل مطالعے کو ضروری خیال کرتے ہیں، تفسیر بیضاوی کے ساتھ شاہ ولی اللہ رحمۃ اللہ علیہ کی الفوز الکبیر بھی شامل درس ہے اور یہ کتاب بھی ہمیں مولانا ہی سے پڑھنے کا شرف حاصل ہے۔

آپ جب بھی مولانا سے ملیں گے ان کا پہلا سوال یہی ہوگا کہ کون ہیں؟ کہاں سے تشریف لائے ہیں؟ طالب علم ہیں یا فارغ ہیں؟ اگر فارغ ہیں تو آج کل کیا خدمت انجام دے رہے ہیں؟ اور اگر تھوڑی دیر بعد پھر آپ ان سے ملاقات کریں گے تو پھر آپ کو ان سارے سوالات کے جواب دینے ہوں گے۔

اللہ تعالیٰ نے آپ کو قابل رشک صحت سے نوازا ہے، کڑاکے کی سردی ہو یا سخت دھوپ، گلے میں رومال ڈالے مولانا اپنے وقت پر پڑھانے کے لیے آپ کو تیار ملیں گے، ایسے وقت کی پابندی کرنے والے متقی اور پرہیزگار اساتذہ آپ کو شاذ و نادر ہی ملیں گے!

چوتھی گھنٹی صحیح مسلم کی گھنٹی ہے، مولانا خلیل الرحمٰن اعظمی سابق ناظم جامعہ آیا چاہتے ہیں، طلباء جلدی جلدی صحیح مسلم کی کاپی نکال رہے ہیں، میں نے بھی اپنی کاپی نکالی، یہ دیکھیے! یہ لمبے سے مولانا پیچھے ہاتھ باندھے تشریف لا رہے ہیں، آپ کی چال میں وقار، متانت اور سنجیدگی ہے، کالی لمبی ٹوپی لگاتے ہیں، جو تملناڈو کے شرفاء کی شناخت ہے، درسگاہ میں داخل ہونے کے ساتھ ''السلام علیکم'' کہتے ہیں، بردباری سے اپنے مقام پر بیٹھ جاتے ہیں، طلباء صحیح مسلم آگے بڑھاتے ہیں۔

''آج کس کی باری با؟'' مولانا پوچھتے ہیں۔

''مصدق حسین کی''ہم جواب دیتے ہیں۔

مصدق حسین عبارت پڑھنا شروع کرتے ہیں، آپ احادیث کے ترجمے سے ساتھ الفاظ کی تشریح، احادیث کی تشریح کرتے جاتے ہیں، اگر عبارت میں غلطی ہو جائے تو وجہ اعراب پوچھتے ہیں جس سے طالب علم خود بخود اپنی غلطی سے آگاہ ہو جاتا ہے۔

آپ کو اور آپ کے خانوادے کو اللہ تعالیٰ نے بے حد ذہانت سے نوازا ہے۔آپ کے خانوادے کا ہر فرد ذہانت میں یکتائے روزگار رہے، ذہانت کے ساتھ ساتھ بے شمار صلاحیتیں آپ کے خانوادے کی شناخت ہیں، آپ کے فرزند دکتور محمد الیاس اعظمی عمری مدنی الجامعۃ الاسلامیہ مدینہ منورہ کے ممتاز طالب علم رہے ہیں، آپ کو جائزۃ المدینۃ المنورۃ بھی دیا گیا تھا، آج کل آپ جامعہ میں ہی درس وتدریس کی خدمت انجام دے رہے ہیں، ہم نے آپ سے بدایۃ المجتہد اور اصول فقہ پڑھی ہے۔

آپ طلباء سے بیحد شفقت سے بات کرتے، فارسی زبان کے کئی شعر دوران درس سنایا کرتے، تلگو، کنڑ، بنگالی اور ملیالم زبانوں کے کچھ لفظ آپ کے ذہن میں محفوظ تھے، موقع ومحل کی مناسبت سے ان زبانوں کے الفاظ بول کر ہمیں حیرت میں مبتلا کرتے تھے، آپ وسیع التجربہ بزرگ ہیں، ہر علاقے کی تہذیب، رہن، سہن، عادات واطوار کے بارے میں آپ کو جانکاری حاصل ہے۔

آپ کئی سال جامعہ دارالسلام کے ناظم رہے، طلباء پر آپ کا بڑا رعب تھا، بڑے سے بڑا جلسہ ہو رہا ہو، طلباء شور مچا رہے ہوں، تو آپ کی صرف ایک آواز طلباء کو خاموش کرانے کے لیے کافی تھی، آپ جب ناظم تھے تو منٹوں میں مسائل حل کر دیا کرتے تھے، مسئلہ کتنا بھی بڑا ہو چٹکیوں میں اسے حل کرنا آپ کو خوب آتا تھا۔آپ کے دور میں طلباء دفتر نظامت جانے کے لیے کانپتے تھے، دفتر میں اگر طلبی ہوتی تو یقیناً وہ بڑا مسئلہ ہی ہوتا، چھوٹے چھوٹے مسائل وارڈن صاحب خود حل کر لیا کرتے تھے، آپ کا رعب و دبدبہ صرف طلباء پر ہی نہیں تھا بلکہ اساتذہ پر بھی تھا، بسا اوقات آپ اساتذہ کو بھی ڈانٹ دیا کرتے تھے، آپ قانون کی بے احترامی بہر صورت برداشت نہیں کرتے تھے، طالب علم خواہ امیر ہو یا غریب، بڑی جماعت کا ہو یا چھوٹی جماعت کا آپ کی نظر میں یکساں تھا۔

اب پانچویں گھنٹی شروع ہو گئی ہے، جو ہدایہ کی گھنٹی ہے، مولانا ظفر الحق طالبؔ نائطی عمری ابن علامہ شاکر نائطی آیا چاہتے ہیں، یہی ہیں مولانا جو سنجیدہ چہرے کے ساتھ پروقار انداز میں کلاس میں داخل ہو رہے ہیں، آپ کا انداز تدریس سب سے دلچسپ، سب سے جدا ہے۔گھنٹی ہدایہ کی ہے مگر اس میں نحو صرف کے قواعد بیان ہو رہے

ہیں، قرآن وحدیث کی بات ہورہی ہے، ادب کے حوالے سے گفتگو ہورہی ہے، وہ طلباء میں دلچسپی پیدا کرنے کے فن سے بخوبی واقف ہیں، جب یہ دیکھتے ہیں کہ طلباء پڑھتے پڑھتے بور ہورہے ہیں، کوئی اونگھ رہا ہے، کسی کے چہرے پر بیزاری طاری ہے، تو بہترین لطیفہ سناتے ہیں جس سے محفل زعفران زار ہوجاتی ہے، سارے بچوں کے چہرے پر چستی محسوس کرتے ہیں تو دوبارہ سبق پڑھانا شروع کرتے ہیں، اردو ادب میں آپ کو خاص مہارت حاصل ہے، آپ کا مطالعہ کافی عمیق ووسیع ہے، آپ قابل باپ کے قابل فرزند ہیں، بڑی خوبصورت شاعری کرتے ہیں، آپ کے والد صاحب کے کلام کا کافی حصہ آپ کے ذہن میں محفوظ ہے، کبھی کبھی موڈ میں ہوتے ہیں تو والد مرحوم کے اشعار سے مسلسل نوازتے ہیں۔

کیا رکھا تھا اس ڈورے میں پابند وفا کب تک رہتا
آخر وہ آہو وحشی تھا جو توڑ کے رسی چھوٹ گیا
خدا سے لے کے خدائی سے دور لا کے مجھے
بتوں نے چھوڑ دیا نام پر خدا کے مجھے
اس دل میں بہت کم ہے اب آمد ورفت اس کی
دنیا کی طرف ہم نے دیوار اٹھا لی ہے
ہوں سب میں اور سب سے جدا سب سے بے نیاز
میں ہوں بھرے جہاں میں تنہا کہیں جسے

بات جب اردو ادب یا اردو شاعری کی ہوتی تو بطور خاص ناچیز کو مخاطب کرتے، جسے ناچیز اپنے لیے ایک اعزاز گردانتا ہے۔

آپ کی شاعری، مضامین عموماً ماہنامہ راہ اعتدال میں شائع ہوتے ہیں، طنز و مزاح سے بھی کافی لگاؤ ہے اس لیے وقتاً فوقتاً مزاحیہ مضامین بھی تحریر فرماتے ہیں، جماعت چہارم میں ناچیز نے آپ سے مشکوٰۃ پڑھی ہے۔

کھانے کا وقت قریب ہوتا جارہا تھا، مولانا نے کتاب بند کردی، مختلف لذیذ کھانے بنانے کی ترکیب بتلانے لگے جسے سن کر ہمارے منہ میں پانی آنے لگا، کبھی بریانی کا ذکر کرتے ہیں، کبھی کسی چٹنی کو بنانے کی ترکیب بتا رہے ہیں، اب وقت ہوا چاہتا ہے، نقیب صاحب چھٹی کی گھنٹی بجایا چاہتے ہیں، لیجئے! گھنٹی بج گئی، مولانا کلاس سے باہر آگئے، ہم اپنے ساتھی عارف الحق کے ساتھ کلاس سے باہر نکل آئے۔

یہ دیکھئے! جامعہ کے اساتذہ اپنی اپنی جماعتوں سے نکل رہے ہیں، یہ مولانا عبدالعظیم عمری مدنی ہیں، جو تیزی سے کتابیں سینے سے چمٹائے گھر کی طرف جارہے ہیں، اللہ تعالیٰ نے آپ کو بڑی صلاحیتوں سے نوازا ہے، تقریر وتحریر میں یکساں مہارت رکھتے ہیں، اردو کے ساتھ ساتھ عربی اتنی روانی سے بولتے ہیں کہ سننے والا ششدرره جاتا ہے، آپ عموماً جمعہ کے خطبے چار مینار مسجد بنگلور میں دیا کرتے ہیں، وہاں لوگوں کی کافی بڑی تعداد آپ کی تقریر سننے کے لیے جمع ہوتی ہے، راہ اعتدال میں درس حدیث بھی لکھتے ہیں، شاعری بھی کرتے ہیں، جامعہ دارالسلام کے سالانہ مشاعروں میں عموماً آپ کی نظمیں، غزلیں طلباء پیش کرتے ہیں، علامہ البانی پر آپ کی ایک کتاب منظر عام پر آچکی ہے، رابطہ عالم اسلامی کی جانب سے سیرت نگاری کا عالمی مقابلہ ہوا تو اس کے لیے ایک مقالہ ''نبي الرحمة لا نبي الملحمة'' تحریر فرمایا ہے، مگر بروقت مقالہ رابطہ کو نہ بھیج سکے۔ بے حد با اخلاق انسان ہیں، جو بھی ان سے ملتا ہے یہی آرزو کرتا ہے کہ دوسری ملاقات کا موقع کب ملے گا؟ دوسری بار ملنے والا تیسری بار ملنے کی آرزو لے کر واپس ہوتا ہے۔

طلباء کے ساتھ آپ بڑی ہمدردی وغمگساری سے پیش آتے ہیں، ان کے مسائل سنتے ہیں، انہیں مشورے دیتے ہیں، میں نے آپ سے منتقی پڑھی ہے، حدیث پڑھانے کا آپ کا خاص انداز ہے، خصوصاً احادیث کا ترجمہ بہت روانی کے ساتھ بہت خوبصورت انداز میں کرتے ہیں، آپ کے ترجمے میں ذرہ برابر بھی سقم یا جھول محسوس نہیں ہوتا، ابھی ابھی آپ نے من ہو اللہ نامی عربی کتاب کا اردو زبان میں ترجمہ کیا ہے جو شاید ہماری اس کتاب کی اشاعت تک شائع ہو کر منظر عام پر آجائے گی۔

جامعہ دارالسلام کے اساتذہ کو آپ عام مدارس کے اساتذہ پر قیاس نہ کریں، یہ اساتذہ بہت خاص ہیں، ان میں سے ہر ایک اپنی جگہ علم کا سمندر ہے، اپنے موضوع کا متخصص وماہر ہے، اس کے باوجود ان میں ریا کاری بالکل نہیں، بالکل سادگی پسند ہیں، سادہ لباس پہنتے ہیں، سادہ انداز میں زندگی گزارتے ہیں، اپنے اور طلباء کے مابین کوئی حد فاصل نہیں رکھتے، میں نے بہت سے مدارس میں دیکھا ہے کہ طلباء اپنے اساتذہ سے احترام کے نام پر کبھی ملاقات نہیں کرتے، اگر وہ راستے میں آرہے ہوتے ہیں تو ان سے ایک دو میٹر کی دوری پر ہو جاتے ہیں، اسے وہ احترام کا نام دیتے ہیں۔

اگر آپ درس کے اوقات کے علاوہ دیگر اوقات میں جامعہ دارالسلام تشریف لائیں گے تو آپ کو استاد وشاگرد میں تفریق کرنے میں بڑی مشکل پیش آئے گی، اس کے لیے آپ کو پوچھنا پڑے گا کہ فلاں استاد کون ہیں،

آپ کو پتہ چلے گا کہ جو صاحب طلبا سے گفتگو میں منہمک ہیں وہ بخاری کے استاد ہیں، جو صاحب طلباء کے ساتھ چائے پی رہے ہیں وہ حدیث کے استاذ ہیں، جو صاحب طلباء کے ساتھ والی بال کھیل رہے ہیں وہ فقہ کے استاذ ہیں، جو صاحب طلباء کے ہمراہ چہل قدمی کر رہے ہیں وہ ادب کے استاذ ہیں، اللہ کرے ہمارے اساتذہ اور طلباء کا تعلق یونہی برقرار رہے، اس میں کسی قسم کا انقطاع نہ آنے پائے۔ آمین!

یہ مولانا کلیم اللہ عمری مدنی ہیں، جن کی کئی کتابیں تادم تحریر منظر عام پر آ چکی ہیں، بڑے ہی قناعت پسند اور طلباء کی ترقی کے خواہاں انسان ہیں، بہت مخلص ہیں۔ یہ آپ ہی کے بھائی مولانا قمر علی عمری ہیں جو ذہانت میں اپنا جواب نہیں رکھتے۔ یہ آئی، ٹی، آئی کے استاذ مولانا زکریا صاحب عمری ہیں، جو کمپیوٹر کی رگ رگ سے واقفیت رکھتے ہیں، بڑے ملنسار انسان ہیں۔ یہ بزرگ مولانا عبدالصمد صاحب عمری ہیں، بہار کے رہنے والے ہیں، درس کے لیے پوری تیاری سے آتے ہیں، میں نے آپ سے مرقاۃ پڑھی ہے، عموماً طلباء آپ کی گھنٹی میں بوریت کا شکار ہوتے، عدم توجہی کا مظاہرہ کرتے، مگر وہ بڑے مستقل مزاج تھے، بچوں کی توجہ، بوریت کا احساس کیے بغیر جتنا سبق پڑھانا ہوتا باقاعدہ پڑھا کر جاتے، آج کل جامعہ محمدیہ بنگلور میں خدمت انجام دے رہے ہیں۔

یہ پٹنہ کے ڈاکٹر سعید احمد عمری مدنی ہیں، دعوت دین سے خاص لگاؤ ہے، مسلک سلف کے شیدائی ہیں، پٹنہ میں ایک مدرسہ دار البر کے نام سے قائم کر چکے ہیں، کھلے دل والے انسان ہیں، ادیان آپ کا خاص موضوع ہے، عقیدہ بڑے دلکش انداز میں پڑھاتے ہیں۔

یہ ہشاش بشاش انسان مولانا اسلم عمری ہیں، جامعہ دارالسلام کی خدمات پر Ph.D کر چکے ہیں۔ معمولی بات کو بھی مزاحیہ پیرائے میں بیان کرنا آپ کو خوب آتا ہے، جو بھی ملتا ہے وہ ہشاش بشاش واپس لوٹتا ہے، بلا کا حافظہ پایا ہے۔ کتابوں کا مطالعہ بڑے انہماک سے کرتے ہیں۔ آپ کے ڈاکٹریٹ کا مقالہ نقوش جامعہ کے نام سے جامعہ دارالسلام سے چھپ چکا ہے۔

یہ بڑی سی عینک لگائے جو بزرگ خراماں خراماں چلے آ رہے ہیں، وہ مولانا عبدالرحمٰن خان ابوالبیان حماد عمری ہیں، کافی عمر رسیدہ ہیں، شاعری بڑی پیاری کرتے ہیں، پیش رفت میں عموماً آپ کی نعتیں/غزلیں شائع ہوتی ہیں، آپ کی یہ کتابیں چھپ چکی ہیں، تازیانے (المنبہات کا ترجمہ) نغمات حمد ونعت، سفر نامۂ ایران وحجاز، جامعہ دارالسلام کے سالانہ مشاعرے آپ ہی کے زیر نگرانی سرانجام پاتے ہیں، اگر آپ سے ملاقات کیجئے گا تو ایک ہی سانس میں آپ سے کئی سوال کریں گے اور خود ہی فوری اس کا جواب بھی دیں گے۔ راہِ اعتدال کے جتنے خاص

شمارے شائع ہوئے ہیں ان سب میں آپ کی موضوعاتی نظمیں موجود ہیں۔

یہ سائیکل سوار مولانا عبدالواحد صاحب عمری مدنی ہیں، اپنی دنیا میں مست رہتے ہیں، بڑے بھولے، سیدھے انسان ہیں،، آپ میں للّٰہیت کوٹ کوٹ کر بھری ہوئی ہے، اپنے آرام کے لیے طلباء کو تکلیف دینا کبھی گوارا نہیں کیا، ہر شخص کی بات پر بہت جلد یقین کر لیتے ہیں، جماعت چہارم میں آپ ہمارے کلاس ٹیچر تھے، کوئی چرب زبان طالب علم آپ کو جو کہتا اس پر ہاں! ہاں! کی گردان کیے جاتے۔

یہ جو گاڑی میں تیزی سے نکلے جا رہے ہیں ماسٹر مختار صاحب ہیں، جو بڑے حساب سے حساب پڑھاتے ہیں، حساب پڑھانے کے دوران نہ جانے کہاں کہاں سے مثالیں ڈھونڈ کر لاتے ہیں کہ ہنسی آ جاتی ہے، بڑے ذہین انسان ہیں، بڑی سادگی سے گفتگو کرتے ہیں۔

ہم کلاس سے باہر آ گئے، مطبخ کی طرف جا رہے ہیں، آج اتوار کا دن ہے، یقیناً گوشت پکا ہوگا، جامعہ کے مطبخ میں ایک ہفتے کا شیڈول متعین ہے کہ فلاں دن فلاں چیز پکائی جائے گی، عارف میاں اپنے کمرے میں داخل ہوئے، میں اپنے کمرے میں، بستر پر نگاہ ڈالی کہ کہیں کسی کا کوئی خط تو نہیں آیا، عموماً روزانہ مجھے ڈاک کا انتظار رہتا تھا، کیونکہ کثرت سے خط وکتابت کرنا میری عادت تھی، عام طور پر شعرا وادبا کی کتابیں بھی میرے نام کثرت سے آیا کرتی تھیں، تبصرہ کرنا، تعارفی مضمون لکھنا مجھے از حد پسند تھا، اس دور میں میرے مضامین اور تبصرے بہت سے معیاری رسائل وجرائد، روزناموں، ماہناموں میں شائع ہوا کرتے تھے۔

آج کسی کا خط نہیں آیا تھا، میں عارف کے کمرے کی طرف گیا، ''باہر چل رئیں'' میں نے کہا۔ ''چلو! دبا کے بھوک لگ رئی'' عارف نے کہا۔ ہم سست روی کے ساتھ باہر کی طرف جا رہے ہیں، مسعود بھائی کی بریانی عموماً ہم لوگ کھایا کرتے تھے، بل عموماً عارف الحق ادا کیا کرتے تھے۔

ہم ہوٹل میں داخل ہو چکے ہیں، ''دو بریانی مسعود بھائی'' عارف نے کہا۔ ''دے روں جناب!'' مسعود بھائی نے کہا۔ وہ عموماً فصیح اردو بولنے کی ناکام کوشش کرتے تھے، باسمتی چاولوں کی دو بہترین، خوشبودار، لذیذ بریانیاں ہمارے سامنے ہیں، بسم اللہ کر کے ہم نے کھانا شروع کیا، ''ماشاء اللہ کیا مزیدار ہے!'' میں نے کہا، ''جلدی کھاؤ یار! جا کے سونا ہے'' عارف نے کہا۔ بریانی کا لطف پیاز کے ساتھ دوبالا ہو جاتا ہے، بریانی ختم ہوگئی، ہم نے ہاتھ دھونے سے فراغت حاصل کر لی، عارف الحق نے بل ادا کر دی۔ ''چائے پییں گے یا شربت'' عارف نے کہا۔ ''شربت'' میں نے کہا۔ گرم گرم بریانی کے بعد ٹھنڈے ٹھنڈے نناری کے شربت کا مزہ ہی کچھ اور ہوتا ہے،

وہ بھی عمر آباد کا شربت، جس میں ہلکا سا بادام کا گوند ملا ہوا ہوتا ہے۔ شربت حاضر ہو گیا، ہم نے چسکیاں لے لے کر یہ ٹھنڈا فرحت بخش شربت نوش کیا۔

اس کے بعد ہم دونوں چلتے ہوئے ہاسٹل میں داخل ہوئے، وہ اپنے کمرے کی طرف، میں اپنے کمرے کی طرف استراحت کرنے کی غرض سے گئے۔ بچے مطبخ سے کھانا کھا کر واپس ہو رہے ہیں، کوئی سونے کے لیے کمرے کی طرف لپک رہا ہے، کوئی چائے پینے کی غرض سے باہر جا رہا ہے، کوئی کتابیں لیے مسجد کی راہ پر گامزن ہے، اور ہم نیند کے مزے لے رہے ہیں، جامعہ میں نیند کا مسئلہ بڑا نازک مسئلہ ہے، اگر دوپہر چند منٹ بھی آرام کے لیے میسر نہ ہوں تو دوپہر کی گھنٹیاں اونگھنے میں گزر جاتی ہیں، ہلکا سا سر میں درد بھی ہوتا ہے، اس لیے ایک یا دو منٹ بھی اگر اذان کے لیے وقت ہوتا ہے تو ہم بستر پر لیٹ جاتے ہیں، کم از کم تکان تو اتر جاتی ہے، راحت کا احساس تو ہوتا ہے، کمرے کے ساتھی بھی کھانا کھانے سے قبل بستر پر دراز ہیں، کیونکہ آٹھویں جماعت کے کھانے کی دوسری گھنٹی ہے، تقریباً ۲۰ منٹ کا وقت ملتا ہے جس میں ہماری جماعت کے اکثر و بیشتر ساتھی آرام کرتے ہیں۔

ظہر کی اذان ہو رہی ہے، ہم نیند سے بیدار ہو گئے، وضو کر کے حمام خانے سے نکلے، اپنا چہرہ، ہاتھ تولیے سے پونچھنے کے بعد ظہر کی نماز کے لیے تیز تیز قدموں سے مسجد سلطان کی طرف جا رہے ہیں، لیجیے جماعت ٹھہر گئی ہے، مولانا ابوالبیان حماد عمری امامت کے لیے آگے بڑھ چکے ہیں، مولانا نے اس مسجد کا افتتاح کرتے ہوئے غالباً سب سے پہلے ظہر کی نماز پڑھائی تھی، اس کے بعد سے آج تک مسلسل ظہر کی نماز پڑھاتے آ رہے ہیں، بہت کم ایسا ہوتا ہے کہ آپ مسجد سلطان میں ظہر کی نماز نہ پڑھائیں۔

''السلام علیکم ورحمۃ اللہ'' ، ''السلام علیکم ورحمۃ اللہ'' مولانا ظہر کی نماز کا سلام پھیر چکے ہیں، طلباء جلدی جلدی تسبیحات ادا کر رہے ہیں، کچھ طلباء کی نماز قضاء ہو گئی ہے، وہ جلد از جلد اپنی بقیہ رکعتیں ادا کرنے میں مصروف ہیں، کچھ طلباء تسبیحات مکمل کر کے سنن و نوافل سے فراغت حاصل کر رہے ہیں، لیجیے ہم بھی سنت پڑھ کر مسجد سے باہر نکل آئے، چائے پینے کے لیے ہوٹل کی طرف جا رہے ہیں، بعض طلباء جو چائے پینے کے عادی نہیں ہیں کلاسوں کا رخ کر رہے ہیں، ابھی کلاس شروع ہونے کے لیے آدھا گھنٹہ باقی ہے، طلباء رسائل، جرائد اور اخبارات کا مطالعہ کر رہے ہیں، پانی پینے والے پانی پی رہے ہیں، کچھ طلباء گپ شپ میں مصروف ہیں، جامعہ کے سکریٹری مولانا کاکا سعید احمد عمری نہ جانے کیسے بے وقت اس طرف تشریف لا رہے ہیں، ہمیشہ جامعہ کی ترقی، طلباء کے تعلیمی معیار میں اضافے کے بارے میں فکر مند رہتے ہیں، آپ چاہے جہاں ہوں جامعہ کی فکر دامن گیر رہتی ہے، طلباء میں کسی قسم کی

کوئی خامی برداشت نہیں کرسکتے، کا کا محمد عمرؒ، کا کا محمد اسماعیلؒ م کا کا محمد ابراہیمؒ نے جس پودے کی آبیاری کی تھی، جسے اپنے خون دل سے سینچا تھا وہ آج تناور درخت کی شکل اختیار کرچکا ہے، کاش آج کے دن یہ بزرگان موجود ہوتے تو جامعہ کی ترقی دیکھ کر کیسے خوش ہوتے، کیسی مسرت کا اظہار کرتے۔

مولانا کا کا سعید احمد عمری کے ساتھ آج کا کا انیس بھی تشریف لا رہے ہیں، بڑی حلیم، متین، بردبار شخصیت ہیں، قابل باپ کے قابل فرزند ہیں، جامعہ کی ترقی میں ہمیشہ اپنے باپ کے کندھے سے کندھا ملا کر چلتے ہیں، اپنے والد کا پورا پورا تعاون کرتے ہیں، اللہ آپ کی مساعیٔ جمیلہ کو قبول فرمائے۔

دو بجنے کے لیے پانچ منٹ اور باقی ہیں، وارننگ بیل بج چکی ہے، ہمارے ساتھی، دیگر کلاسوں کے طلباء تیزی سے چلتے ہوئے اپنی کلاسوں میں داخل ہو چکے ہیں، ہم بھی اپنی کلاس میں داخل ہوگئے، اپنی مخصوص سیٹ پر بیٹھ گئے، دیکھئے! مولانا آ گئے، یہ مقدمہ ابن خلدون کی گھنٹی ہے، ہفتے میں تین دن مقدمہ ابن خلدون پڑھاتے ہیں، ابن خلدون کے اس مقدمے سے ہمیں ان کے گہرے، تاریخی، سماجی، تہذیبی شعور کا پتہ چلتا ہے، مولانا نے اس کتاب کو بڑی محنت، لگن سے پڑھایا، مزہ آ گیا۔

دوپہر کی دوسری گھنٹی مولانا ظفر الحق طالب نائطی عمری کی ہے، جو تاریخ الادب العربی اور دیوان متنبّی پڑھاتے ہیں، ہفتے کے تین دن تاریخ ادب، بقیہ دن دیوان متنبّی کے لیے مختص ہیں، لیجئے! آپ تشریف لا چکے ہیں، ادب کی گھنٹی ہو، استاد مولانا ظفر الحق طالب نائطی عمری ہوں تو اس کا مزہ دوبالا ہو جاتا ہے، مولانا اپنے مخصوص انداز میں احمد حسن زیات کی تاریخ ادب عربی پڑھا رہے ہیں، مولانا کی خوبی یہ ہے کہ ان کی گھنٹی کے دوران سب کی توجہ سبق پر مرکوز ہوتی ہے، عبارت کا ترجمہ چست رواں دواں کرتے ہیں، درمیان میں کبھی غالبیات پر بحث ہو رہی ہے تو کبھی اقبالیات موضوع گفتگو ہے، کبھی مولانا آزاد پر بات ہو رہی ہے، الغرض یہ گھنٹی یک رنگی نہیں ست رنگی گھنٹی ہے، قواعد عربی سمجھانے کا آپ کا اپنا انداز ہے۔

آپ شاعر بھی ہیں، مشاعرے میں عموماً اپنی غزلیں، فارسی اشعار سنا کر سامعین کو مرعوب کر دیتے ہیں، مولانا کا یہ شعر مجھے بہت پسند ہے ؎

عزیمتوں کے راستے بڑے ہی پرخطر سہی
جو حوصلے بلند ہوں نشیب کیا فراز کیا

دیکھتے ہی دیکھتے دوسری گھنٹی بھی ختم ہوگئی، مولانا کی پربہار گھنٹی کب شروع ہوئی، کب ختم ہوئی احساس

ہی نہیں ہوا۔گھنٹی بجنے کے ساتھ ہی آپ نے اپنا سبق روک دیا، اٹھ کر کلاس سے چلتے بنے، تیسری گھنٹی انگریزی کی گھنٹی ہے، اس گھنٹی میں کلاس دوحصوں میں تقسیم ہو جاتی ہے، ''الف'' اور ''با''، ''الف'' کے طلباء اسی کلاس میں بیٹھ جاتے ہیں، ''با'' کے طلباء اوپر چلے جاتے ہیں، الف کے استاد ہیں ماسٹر مسعود صاحب، ''با'' کے استاد ہیں ماسٹر فضل اللہ صاحب، میں نے جامعہ دارلاسلام میں جماعت چہارم میں داخلہ لیا، جماعت چہارم سے آٹھویں جماعت تک مجھے انگریزی ماسٹر مسعود صاحب ہی سے پڑھنے کا اتفاق ہوا، یہ بھی اتفاق ہی ہے کہ عارف الحق کا نام بھی مسلسل ماسٹر مسعود صاحب کی جماعت میں ہی لکھا جاتا رہا، ماسٹر صاحب بھی انہیں بہت چاہتے تھے، ماسٹر مسعود صاحب بھی بسا اوقات واقعات، لطائف سناتے، کلاس کو متحرک رکھتے، پڑھانے سے کبھی غفلت کا اظہار نہ کرتے، اگرچہ طلباء انہیں بہت پریشان کرتے تھے، کبھی کوئی بلی کی آواز نکال رہا ہے، کوئی کتے کی طرح بھونک رہا ہے، ماسٹر صاحب ایسے وقت میں جلال میں آجاتے، ان کی حالت ایسی صورت میں قابل دید ہوتی، ماسٹر صاحب کو طلباء کی فطرت سے آگاہ ہونا چاہیئے، اگر وہ طلباء کی ان حرکتوں کا نوٹس نہیں لیں گے تو طلباء ازخود خاموش ہو جائیں گے، طلباء تو طلبا ٹھہرے، شرارت کرنا ان کی فطرت ثانیہ ہے، خواہ وہ پہلی جماعت کے طلباء ہوں یا آخری جماعت کے، ان سے سنجیدگی کی توقع کرنا فضول ہے، کبھی کبھی اصول صحت پر بھی کھل کر بحث کرتے کہ کون سی چیز صحت کے لیے مفید ہے؟ کون سی مضر ہے؟ کس چیز کو کس طرح استعمال کرنا چاہیئے اور کس طرح نہیں؟ اس حوالے سے اور کیا کیا گفتگو ہوتی ہوگی آپ خود اندازہ لگا سکتے ہیں۔

ماسٹر فضل اللہ صاحب کے پاس چونکہ پڑھنے کا اتفاق نہیں ہوا اس لیے ان کے انداز تدریس کے بارے میں اظہار خیال کرنے سے قاصر ہوں، طلباء بتاتے ہیں کہ وہ بہت اچھی طرح پڑھاتے ہیں، سمجھاتے ہیں، مگر شنیدہ کے بود مانند دیدہ۔

ماسٹر مسعود صاحب کتاب بند کر چکے ہیں، ''ٹائم کیا ہوا بھئی؟'' مسعود صاحب نے سوال کیا۔کسی نے جواب دیا ''ابھی پانچ منٹ باقی ہیں'' طلباء خاموشی سے بیٹھے ہوئے وقت گزرنے کا انتظار کر رہے ہیں، لیجئے! پانچ منٹ گذر گئے، چھٹی کی گھنٹی بج گئی، ہم جلدی جلدی کتابیں سمیٹے اپنی کلاس سے باہر جانے کے لیے اٹھ کھڑے ہوئے، ہمارے قدم آگے بڑھ رہے ہیں، طلباء اپنی جماعتوں سے غول در غول نکل رہے ہیں، کوئی خاموشی سے مسجد کی طرف جا رہا ہے، ہم مسجد پہونچ گئے، مسجد کے صحن کے دائیں طرف اپنی کتابیں رکھ دیں، چپل چھوڑ دیے، حوض کی طرف جا رہے ہیں، حوض کے ٹھنڈے پانی سے وضو کیا، وضو سے فراغت کے بعد ہم مسجد میں جا کر بیٹھ گئے، جماعت

کے لیے ابھی پانچ منٹ باقی ہیں، ہم سنت ادا کرنے کے لیے کھڑے ہوئے، دو رکعت سنت پڑھ کے بیٹھ گئے، کچھ طلباء ہاتھ باندھے جماعت کے انتظار میں کھڑے ہوئے ہیں، کچھ تیزی سے وضو سے فراغت حاصل کررہے ہیں۔

عصر کی جماعت کھڑی ہوگئی ہے، امامت کے لیے عارف الحق آگے بڑھ چکے ہیں، تکبیر تحریمہ کی آواز سن کر طلباء جو وضو بنانے میں مصروف تھے دوڑتے ہوئے آرہے ہیں، جماعت میں شریک ہورہے ہیں، چہار رکت عصر کی فرض نماز امام صاحب کے سلام کے ساتھ ختم ہوئی، ہم فرض نمازوں کے بعد کی تسبیح میں مصروف ہیں، کچھ طلباء کے چہروں پر بےچینی محسوس ہورہی ہے، شاید وہ جلد گراؤنڈ جانا چاہتے ہوں گے، یا آج ان کا میچ ہوگا۔

بہرکیف! عصر پڑھ کر ہم باہر نکلے، عصر کے بعد آٹھویں جماعت والوں کو تجوید کی گھنٹی پڑھنی ہوتی ہے، اس میں حفاظ غیر حفاظ کی تفریق نہیں کی جاتی، ہم کتابیں لے کر کمرے کی طرف جارہے ہیں، الماری میں کتابیں رکھنے کے بعد مصحف لے کر تیزی سے کلاس کی جانب رواں ہوجاتے ہیں، وہاں تجوید کے استاد مولانا محمد عبدالقیوم طاہر مدنی ہم سے پہلے کلاس میں حاضر ہیں، طلباء اپنے اسباق سنا رہے ہیں، قاری صاحب تجوید کی چھوٹی موٹی اغلاط کی نشاندہی کررہے ہیں، قاری عبدالقیوم طاہر مدنی صاحب کے بارے میں آپ جانتے ہی ہوں گے کہ یہ الجامعۃ الاسلامیۃ سے فارغ التحصیل ہیں، قدرت نے نہایت خوبصورت آواز سے نوازا ہے، بڑے نستعلیق قسم کے انسان ہیں، مخصوص رکھ رکھاؤ اور سلیقہ ان کی فطرت کا حصہ ہے، الجامعۃ الاسلامیۃ (المدینۃ المنورۃ) میں دس سال امامت کے فرائض انجام دے چکے ہیں، ہمیں آپ کی شخصیت کو بہت قریب سے دیکھنے، پرکھنے، سمجھنے کا موقع ملا، بڑے نرم مزاج انسان ہیں، اردو سے زیادہ عربی کتابیں پڑھنے کا ذوق رکھتے ہیں، آپ کی لائبریری میں بڑی اہم، بنیادی کتابیں دستیاب ہیں۔

آپ فطرتاً نرم دل ہیں، بہت کم طلباء پر سختی کرتے ہیں، سختی کرتے بھی ہیں تو اس میں ان کی فطری نرمی شامل ہوتی ہے، آپ نے یہ معمول بنالیا ہے ہر سال آٹھویں جماعت کے طلباء کی بھرپور دعوت کرتے ہیں، ہمیں آپ کی دعوت سے فیضیاب ہونے کا موقع ملا، اپنے شاندار گھر میں اپنے مہمانوں کا دل سے استقبال کرتے ہیں، جو مہمان بھی ایک بار ان کے گھر جاتا ہے وہ یہی کہتا ہوا واپس آتا ہے کہ "ایک بار دیکھا ہے، بار بار دیکھنے کی ہوس ہے"۔

تجوید کی گھنٹی ختم ہوا چاہتی ہے، بلکہ ختم ہوچکی ہے، مولانا اپنی بیگ سنبھالے باہر کی طرف جارہے ہیں، ہم کمرے کی طرف گامزن ہیں، کمرے میں مصحف رکھنے کے بعد عارف کے کمرے میں داخل ہوتا ہوں، معاًوہ کہتے

ہیں ''باہر نہیں چل رئیں''۔ ''ابھی آرہا ہوں'' میں کہتا ہوں، البلاغ (طلباء کی لائبریری) سے مجھے ایک کتاب لینی تھی، اس لیے اس سے قبل لی ہوئی کتاب جمع کروا دیتا ہوں، ''دلاور فگار'' کا کلیات لے لیتا ہوں، پھر ہم دونوں باہر کی طرف جایا چاہتے ہیں کہ اچانک ناصرالدین محمد، احسان خاں اوپر سے اترتے ہیں، ''باہر جارئیں؟'' وہ پوچھتے ہیں، ''آرئیں'' عارف کا جواب ہوتا ہے، اس طرح ہم چار لوگ باہر کی طرف جارہے ہیں، جہاں ماش کے وڑے، انڈے کے بھونڈے ہمارا انتظار کررہے ہیں۔

''مسعود بھائی! چار انڈے، آٹھ ماش کے بڑے'' عارف کی آواز ابھرتی ہے، ''ابھی دے رہا ہوں مولوی صاب'' مسعود بھائی جواب دیتے ہیں، احسان خان سیونی کے واقعات بیان کررہے ہیں، کہیں کہیں وہ مبالغے سے بھی کام لیتے ہیں، خوب مرچ مسالہ لگا کر وہ اپنے شہر کے واقعات بیان کررہے ہیں، ناصرالدین محمد شاہ آباد کے قصے سنا رہے ہیں، شاہ آباد کی تعریف میں زمین و آسمان کے قلابے ملا رہے ہیں، میں کہاں چپ رہنے والا تھا، میں نے بھی کڈپہ کی عظمت بیان کرتے ہوئے دو تین واقعات سنائے، عارف الحق ایسے مواقع پر خاموش رہیں یہ ناممکن ہے، وہ کہنے لگے ''بس کرو یارو یارو! ہمارا بالے ہنور کشمیر سے کم نہیں'' یہ نوک جھونک جاری تھی کہ مسعود بھائی نے انڈے اور ماش کے وڑے پیش کردئے۔

''باتیں کم کرو، کھانا شروع کرو'' عارف نے کہا، ماش کے گرم گرم بڑے مزے لے لے کر کھائے جا رہے ہیں، بڑے ختم ہونے کے بعد اب انڈے کی باری ہے، اس سے انصاف کرنا بہت ضروری ہے، آہستہ آہستہ ہم اسے بھی ختم کردیتے ہیں، ''چائے لیں رئیں یا چائے نا'' عارف نے میری طرف اشارہ کر کے سوال کیا، میں نے کہا ''چائے نا''۔ ''تم کیا لے رئیں'' ناصر اور احسان کی طرف دیکھ کر انہوں نے سوال داغا، احسان اور ناصر کہا ''چائے!''۔ ''مسعود بھائی! تین چائے ایک چائے نا'' عارف نے کہا، ''ایک ڈبل شکر کیا مولوی صاب'' وینکٹیش نے سوال کیا، عارف نے اس کے جواب میں فقط سر ہلایا۔

دودھ اور چائے نوشی سے فراغت کے بعد ہم ہوٹل سے باہر نکل آئے، عصر بعد تفریح کے لیے ہم لوگ عموماً گڑھ آمبور کا رخ کرتے تھے، بسا اوقات ایسا ہوتا کہ نریم پیٹ تک ٹہلتے ٹہلتے چلے جاتے، احمد اللہ کا مکان نریم پیٹ میں ہے، ان سے ملاقات کرلیتے، وہ بھی حق میزبانی خوب ادا کرتے تھے، اور کبھی مغرب کا وقت گڑھ آمبور میں ہی ہو جایا کرتا تھا تو مسجد گڑھ آمبور میں مغرب پڑھ لیتے، مسجد کے بالمقابل جو گوشت کی دکان ہے اس میں داخل ہو جاتے، سیر ہو کر گوشت کھاتے، سویاں بھی کبھی ساتھ میں نوش کرلیا کرتے، کبھی اس کے بغیر کام چلا لیا کرتے۔

ہم گڑھ آمبور کی طرف جا رہے ہیں، دار السلام ہسپتال کا احاطہ ختم ہوا، تھوڑا سا آگے بڑھتے ہیں تو عمر آباد کا قبرستان نظر آتا ہے، یہ قبرستان عام قبرستانوں سے ممتاز قبرستان ہے، کیونکہ یہاں آرام فرما ہستیاں اپنے وقت کی بڑی اہم، بلند پایہ اور عظیم ہستیاں ہیں، اس قبرستان کی مٹی پر مجھے بڑا رشک آتا ہے کہ یہاں کیسے کیسے خزانے مدفون ہیں، کیسے کیسے جواہرات اس مٹی میں پوشیدہ ہیں، ایسی ایسی ہستیاں اس مٹی کی زینت ہیں جو خلوص، للٰہیت کا مجسمہ تھیں، جنہوں نے زندگی میں کبھی شہرت کی حرص نہیں کی، عمر ساری گمنامی میں بسر کر دی، مجھے اس وقت زاہدؔ اعظمی عمری کے یہ شعر یاد آرہے ہیں ؎

جبین دہر پہ فخر جہاں عمر آباد
زمیں کی گود میں اک آسماں عمر آباد
یہ اہل دانش و ارباب فکر وفن کی زمیں
نشانِ عظمتِ ہندوستاں عمر آباد

علامہ شاکر نائطیؔ جو جنوب کے غالبؔ''، ''جنوب کے شبلی نعمانی'' کے القاب سے یاد کیے جاتے ہیں، جو علم وادب کے بحر ذخار تھے، جن کی شاعری پر جنوب کی سرزمین جتنا بھی فخر کرے کم ہے، جو جامعہ دارالسلام کے شیخ الادب تھے، ماہنامہ مصحف آپ ہی کی ادارت میں عمر آباد سے نکلتا تھا، عمر آباد کی شان بڑھاتا تھا، آپ اردو زبان کے ساتھ ساتھ عربی، فارسی کا انسائیکلوپیڈیا تھے، کیسے پیارے شعر آپ کہہ گئے ہیں، پڑھتا ہوں تو دل بار بار آپ کی عظمت، آپ کے احترام، آپ کے ادب میں جھک جاتا ہے ؎

کوئی صورت تو نکالی جائے گی
جائے گی آشفتہ حالی جائے گی
دل کی حسرت کیا نکالی جائے گی
کیا غریبوں کی دعا لی جائے گی
ہے کٹھن راہ وفا تو کیا ہوا
ہر کڑی آفت اٹھالی جائے گی
کیا نہیں آئے گا مجھ کو دور جام
فکر رند لا ابالی جائے گی

کون ہے دنیا میں ایسا خوش نصیب
آپ سے کس کی دعا لی جائے گی
الفت میں بگڑ کر بھی اک وضع نکالی ہے
دیوانے کی سج دھج ہی دنیا سے نرالی ہے
ڈالی ہے دو عالم پہ مٹی ابھی ڈالی ہے
بس کچھ نہیں اب ہم میں یا ہمت عالی ہے
ملتی ہے بڑی راحت اس خاک نشینی میں
میں نے تو طبیعت ہی مٹی کی بنا لی ہے

☆☆☆

کبھی تھا بتاؤ ایماں بھی ٹھکانے پر کسی کے
یہ کہاں تھے اہل ایماں مری کافری سے پہلے
وہی روگ ہے کہ رونا ہمیں آج تک ہے جس کا
کہیں دل لگا لیا تھا کسی دل لگی سے پہلے

جامعہ دارالسلام کے ناظم اول مولانا فضل اللہ صاحب بھی یہیں مدفون ہیں، مولانا عبدالواجد رحمانؔی، مولانا عبدالسبحان اعظمی، مولانا محمد نعمان اعظمی، بے مثال شاعر، عربی، فارسی وارد و میں یکساں دسترس رکھنے والے شاعر مولانا حافظ سید امین، حافظ قاری عبید اللہ، مولانا احمد اللہ خان، مولانا اللہ بخش نوری عمری رحمہم اللہ یہیں آرام فرما ہیں۔

مولانا حفیظ الرحمٰن اعظمی عمری مدنی نے اپنے مضمون ''عمرآباد'' میں ان بزرگوں کے اسمائے گرامی کا تذکرہ کرنے کے بعد بہت ہی پیارا شعر نقل کیا ہے، جو یوں ہے

ہیں اس کی خاک میں مدفون عظمتوں کے منار
یہ وہ زمین ہے جہاں آسمان سوتے ہیں

انہیں خیالات میں غلطاں و پیچاں بادیدۂ نم اس قبرستان سے آگے بڑھتے ہیں۔

احسان خان کو قدیم وجدید شعراء کے بہت سے اشعار یاد ہیں، جن کو وہ سناتے جار ہے ہیں، ہم خاموشی

سے سنتے جا رہے ہیں، ناصرالدین محمد آج نہ جانے کیوں خاموش ہیں، ورنہ وہ بہت بولنے والے شخص ہیں، عارف الحق کسی سے فون پر گفتگو کرنے میں مصروف ہیں۔ ''جلدی چلو! مغرب تک واپس ہونا ہے'' میں نے کہا، ''کیوں؟'' عارف الحق نے سوال کیا، ''حبیب صاحب اور حفیظ صاحب سے ملنا ہے'' میں نے کہا، ''اچھا'' عارف کا جواب تھا۔

مغرب کا وقت ہوا چاہتا ہے، ہم تیز چلتے ہوئے مسجد سلطان کا رخ کر رہے ہیں، طلباء جماعت در جماعت گراؤنڈ سے واپس آرہے ہیں، کسی کی سانس پھولی ہے کوئی پسینے سے تر بتر ہے، کسی کے ہاتھ میں فٹ بال ہے تو کسی کے ہاتھ میں والی بال ہے، (کرکٹ کا بلا، گینداس لیے دکھائی نہیں دیتا کہ جامعہ میں کرکٹ کھیلنا سخت منع ہے، اس کے باوجود چوری چھپے بسا اوقات ہمارے بچے کرکٹ کھیل لیتے ہیں، بلکہ کرکٹ کے ٹورنامنٹ بھی منعقد کیے جاتے ہیں) افسوس کی بات یہ ہے کہ پانچ سال جامعہ میں تعلیم حاصل کرنے کے باوجود مجھے نہ فٹ بال کھیلنا آتا ہے اور نہ والی بال۔

ہم لوگ تیزی سے مسجد کے رخ پر جا رہے ہیں، طلباء میں سے بعض مسجد کی طرف، بعض کمروں کی طرف جا رہے ہیں، پسینے سے شرابور طلباء نہا کر تازہ دم ہو رہے ہیں، لیجئے! مؤذن صاحب اپنی میٹھی آواز میں اذان دے رہے ہیں، ہم مسجد پہونچ گئے، اذان جاری ہے، طلباء، اساتذہ سرعت کے ساتھ مسجد کی طرف لپکتے ہوئے وسارعوا الی مغفرۃ من ربکم ...... کا نمونہ پیش کر رہے ہیں۔ اذان ختم ہو چکی، ساتھی سنت ادا کر رہے ہیں۔

مغرب کی نماز کے لیے اقامت کہی جا رہی ہے، لیجئے! جماعت ٹھہر گئی، عارف الحق نے پہلی رکعت میں سورۂ اعلیٰ اور دوسری میں سورۃ الغاشیہ پڑھی، امام صاحب کے سلام پھیرنے کے ساتھ ہم سب نے سلام پھیرا، ذکر واذکار کے بعد سنن ونوافل ادا کیے جا رہے ہیں، نوافل ادا کرنے کے بعد عارف الحق کو میں نے ڈھونڈا، وہ قرآن کریم کی تلاوت میں مصروف ہیں، ابھی مجھے حبیب الرحمٰن صاحب اعظمی عمری سے ملاقات کرنی تھی، عموماً میں احسان خان اور شیخ اسماعیل کے ساتھ ان سے ملاقات کے لیے بعد مغرب جایا کرتا تھا، شیخ اسماعیل سے میری ملاقات اس وقت ہوئی جب میں نے جامعہ میں جماعت چہارم میں داخلہ لیا تھا، اتفاق سے دونوں کے بیڈ آس پاس تھے، غالباً ششماہی چھٹی کے موقع پر حیدرآباد جانا ہوا تو انہیں کے پاس ٹھہرا، پھر ہماری دوستی مزید گہری ہوتی گئی، بعد ازاں شیخ اسماعیل نے مختصر مضامین لکھنے کی کوشش کی، جیسے ابن صفی، مزاحیہ مضامین جیسے ایک مرغا، مجھے اچھے سے یاد ہے کہ مولانا ظفر الحق طالب شاکر نائطی نے ان مضامین کی اصلاح کی تھی، ایک مضمون غالباً بزم اطفال مالیگاؤں میں بھی شائع ہوا۔ کچھ وجوہات کی بنا پر وہ جامعہ سے رخصت ہو گئے لیکن جامعہ کی محبت ومودت ان کے دل میں

برقرار رہی، سوشیل میڈیا پر جامعہ کے حوالے سے ہمیشہ ہلچل مچائے رہتے ہیں، مسلسل جامعہ کی خدمت میں مصروف رہتے ہیں، اب میں احسان خان کی طرف لوٹتا ہوں، احسان خان کی تلاش میں نظریں ادھر ادھر دوڑائیں، خان صاحب کا دور دور تک پتہ نہ تھا، مسجد تقریباً آدھی خالی ہو چکی تھی، بعض طلباء لائبریری جا چکے تھے، بعض جا رہے تھے، بعض اپنے کمروں کا رخ کر رہے تھے، میں مسجد سے باہر نکل آیا، سوچا کہ احسان خان ضرور اپنے کمرے میں ہوں گے، احسان کا کمرہ اوپر تھا، میں نے وہاں پہونچ کر دیکھا تو وہ اپنے کمرے میں لیٹے ہوئے تھے، میں نے کہا ''حبیب صاحب کے پاس جا رہا ہوں، آپ آئیں گے؟'' ''نہیں آج سر میں شدید درد ہے۔'' احسان نے جواب دیا۔ سر کا درد احسان خان کو عموماً بے حد پریشان کرتا تھا۔ ''ٹھیک ہے میں جا رہا ہوں'' یہ کہہ کر میں نیچے اتر آیا، اب مولانا حبیب الرحمٰن اعظمی عمری سے ملاقات کے لیے ان کے کمرے کا رخ کرتے ہیں، میں نے آپ کے کمرے کا دروازہ کھٹکھٹایا، مولانا نے دھیرے سے پوچھا ''کون؟''۔ ''ظہیر! ظہیر دانش'' میں نے کہا، وہ کمرے سے باہر نکل آئے، مجھے دیکھا ''چلئے آ رہا ہوں'' ان کی زبان سے نکلا۔ کچھ دیر بعد ادارہ تحقیقات اسلامی کی چابی لے کر آئے جو راہ اعتدال کا دفتر بھی تھا، انہوں نے خود اپنے ہاتھ سے تالا کھولا، دروازے وا کیے، ''آیئے!'' کہہ کر اپنی سیٹ پر بیٹھ گئے، رسائل میز پر سلیقے سے رکھے ہوئے تھے، ''کیا بھئی کوئی رسالہ چاہیے؟'' میں نے کہا ''نہیں!'' اس کے بعد میں جو موضوع چھیڑتا مولانا اس پر اس وقت تک بولتے رہتے جب تک کہ کھانے کا وقت نہ ہو جائے، عموماً اردو ادب پر گفتگو ہوتی، کبھی شمیم کرہانی کے شعر سنا رہے ہیں، کبھی عندلیب شادانی کا حوالہ دیا جا رہا ہے، کبھی جوش ملیح آبادی کے حوالے سے گفتگو ہو رہی ہے، عندلیب شادانی کی یہ غزل مولانا اکثر سنایا کرتے تھے ے

چاند اپنا سفر ختم کرتا رہا، شمع جلتی رہی، رات ڈھلتی رہی
دل میں یادوں کے نشتر سے ٹوٹا کیے، اک تمنا کلیجہ مسلتی رہی
آرزو ہائے کیا چیز ہے آرزو! زندگی کی تڑپ زندگی کا لہو
آرزو سے رہا دل ہمیشہ جواں، عمر گو چھاؤں کی طرح ڈھلتی رہی
ٹھنڈی ٹھنڈی ہوا، مہکی مہکی فضا، چاندنی کا فسوں، آرزو کا جنوں
یہ نہ پوچھو خدارا کہ پھر کیا ہوا؟ کچھ نہیں بس یوں ہی رات ڈھلتی رہی
آگ پانی سے بجھتی ہے بیشک مگر، آتش غم نہ اشکوں سے ٹھنڈی ہوئی
ہم نے دیکھا شب غم یہ نیرنگ خود مینہ برستا رہا آگ جلتی رہی

شمیم کرہانی کے یہ چار مصرعے مولانا سے سن کر ہی ہمیں یاد ہوئے، جنہیں ہم اکثر گنگنایا کرتے تھے۔

روداد غم دوراں کرتا ہوں رقم تنہا
مقتل سے گذرتا ہے میرا ہی قلم تنہا
ساقی ہے نہ صہبا ہے کیا دور شمیمؔ آیا
میخانے میں بیٹھے ہیں بادیدۂ نم تنہا

آپ کی ایک غزل حد سے زیادہ مشہور ہوئی، جس کا مطلع یہ ہے ۔

اک داغ ہے دل پر جو مٹایا نہیں جاتا
اس بھولنے والے کو بھلایا نہیں جاتا

میں نے جب یہ غزل کسی طالب علم کی زبانی سنی تو میں بھی بہت متأثر ہوا، جب یہ معلوم ہوا کہ اس غزل کے تخلیق کار مولانا ہیں تو خوشی کی انتہاء نہ رہی، مولانا کے ذہن میں بلا مبالغہ ہزاروں بہترین اشعار محفوظ ہیں، اللہ تعالیٰ نے آپ کو اور آپ کے اہل خاندان کو زبردست قوت حافظہ کا مالک بنایا ہے، جب بھی کوئی اچھا شعر پڑھتے ہیں تو خود بخود وہ ذہن میں محفوظ ہو جاتا ہے، بعض مرتبہ ایسا ہوتا ہے کہ کوئی شعر سناتے ہیں تو ساتھ میں اس کا پس منظر بھی بیان کر دیتے ہیں، مثلاً ماہر القادری جدہ کے ایک مشاعرے میں شریک تھے، احسان دانش بھی وہاں آئے ہوئے تھے، ماہرؔ نے احسان دانش کے ان اشعار پر کھل کر داد دی ۔

دل کے بے نور چراغوں کو ضیاء دی جائے
نہ کہ ہمسائے کی قندیل بجھا دی جائے
چوکھٹے قبر کے خالی ہیں اسے مت بھولو
جانے کب کون سی تصویر لگا دی جائے

کچھ دیر بعد ہی ماہر القادری کا انتقال ہو گیا۔

مولانا حقیقت میں ہر فن مولیٰ ہیں، آپ کو سیر و سیاحت سے دلچسپی ہے، شکاریات سے دلچسپی ہے، قدیم

اور مختلف ممالک کے سکے جمع کرنے سے دلچسپی ہے، ڈاک ٹکٹ جمع کرنے سے دلچسپی ہے، طب سے دلچسپی ہے، فن خطابت میں بھی درک رکھتے ہیں، عطر بنانے میں بھی ماہر ہیں، عطریات میں آپ کی پہلی پسند ناگ چمپا ہے، آپ کے بارے میں مشہور ہے کہ منہ کے چھالے کی دوا دیتے ہیں، ناچیز نے اور احسان خان نے بھی غالباً ایک آدھ مرتبہ منہ کے چھالے کی دوا آپ سے لی تھی، الحمدللہ اللہ کے فضل سے جلد شفا بھی ہوگئی۔

ابتداء سے راہ اعتدال کے مدیر چلے آرہے ہیں، راہ اعتدال میں اس وقت سے آج تک مسلسل اداریے لکھتے آرہے ہیں، مگر احتیاط کا یہ عالم کہ آپ کے اداریے ہر آج تک کسی کو حرف گیری کرنے کی جرأت نہیں ہوئی۔

شاعری میں آپ نے اپنے ذوق کو استاد بنایا، غالباً ایک آدھ غزل علامہ شاکر نائطی کو بھی دکھائی، آپ نے شعر کے دواوین بہت گہرائی سے پڑھے، لغت سے دوستی کی، آسان زبان میں شاعری کی، خوب شہرت حاصل کی، آپ کی شاعری ہر خاص وعام کو مطالعے کی دعوت دیتی ہے، آپ بتکلف گاڑھے موٹے الفاظ استعمال نہیں کرتے۔ ناچیز نے عبدالرحیم عمریؔ کی آواز میں ''درد کی لہریں'' نامی ایک کیسٹ بنائی تھی، جو جامعہ دارالسلام میں بہت مقبول ہوئی، اس کی ابتداء مولانا کی حمد، ابوالمجاہد زاہدؔ کی نعت سے ہوتی ہے، مولانا نے جب یہ کیسٹ سنی تو از حد خوش ہوئے، ناچیز کے سلیقے کو سراہا، مولانا کی حمد کے دو شعر دیکھیں ؎

مرے رب تو ربِّ عظیم ہے، تری شان شان قدیم ہے
ترا لطف سب پہ ہے بیکراں، ترا فیض فیض عمیم ہے
ترا بندہ زاہد بے نوا، ہے سراپا معصیت وخطا
اسے بخش دے تو مرے خدا، تو رؤوف ہے تو رحیم ہے

عبدالرحیم جب بھی یہ حمد انجمنوں میں، جلسوں میں پڑھتے تھے تو سماں بندھ جاتا تھا، مجمعے پر خاموشی طاری ہو جاتی تھی، کبھی کبھی سامعین کی آنکھوں سے آنسو بھی چھلک پڑتے تھے۔ غم آپ کی شاعری کا محور ہے، غم کو کبھی آپ نے شدت کے ساتھ پیش کیا ہے، تو کبھی غم کی ہلکی سی جھلک اپنی شاعری میں دکھاتے ہیں، غم کو وہ دولت تصور کرتے ہیں ؎

زندگی میں خوشی کی نہ کر جستجو، جستجو تیری ناکام ہو جائے گی
غم کی دولت نہیں جب کہ سب کے لیے، پھر مسرت ہی کیوں عام ہو جائے گی

یقیناً اللہ تعالیٰ نے مولانا کو جو شعری ملکہ عطا فرمایا ہے وہ بہت کم لوگوں کو میسر آتا ہے۔

آپ بنیادی طور پر سلیقہ پسند ہیں، آپ کا کمرہ دیکھ لیجیے! ہر چیز قرینے سے سجی نظر آئے گی، جوتوں کے لیے مخصوص مقام ہے، اخبارات کے لیے متعین جگہ، صاف وشفاف شکن سے پاک بستر، کتابیں اہتمام سے سجی ہوئی ہیں، راہ اعتدال کا دفتر بھی آپ کے سلیقے کا غماز ہے، لکھتے بھی بہت سلیقے سے ہیں، بہت سلیقے سے گفتگو کرتے ہیں، آپ کی جتنی غزلیں، آپ کے جتنے مضامین مختلف رسالوں میں شائع ہوئے ہیں ان تمام کو آپ نے محفوظ کر رکھا ہے، اپنے خصوصی احباب کو فرمائش کرنے پر ان نوادرات کی زیارت کراتے ہیں، ڈائری لکھنا بھی آپ کے معمولات میں شامل ہے، جامعہ دارالسلام میں کب کون سا مہمان آیا، کس جلسے میں کون صدر تھے، وفود کب آئے، انجمنوں میں مہمان خصوصی کی حیثیت سے کون کب تشریف لائے، ان تمام کی تفصیلات آپ کو مولانا کی ڈائری میں مل جائیں گی، مولانا کو قدرت نے زبردست ذوق مطالعہ سے نوازا ہے، سینکڑوں بلکہ ہزاروں کتابیں آپ پڑھ چکے ہیں، اپنے اس شوق میں کبھی اپنے احباب کو بھی شریک کر لیتے ہیں، ناچیز کو بھی آپ نے برائے مطالعہ اپنی کتابوں سے نوازا، ''دَربارِدُربار''، ''ہمہ یاران دوزخ'' ناچیز کو آپ سے لے کر پڑھنے کا شرف حاصل ہوا، میں نے جس کتاب کے بارے میں بھی مولانا سے پوچھا اس کے بارے میں اپنے سے زیادہ مولانا کو باخبر پایا۔

رات کے کھانے کا وقت ہو رہا تھا، اس لیے میں نے مولانا سے رخصت چاہی، اور آپ کے کمرے سے باہر نکل آیا، عموماً رات کا کھانا بھی میں باہر ہی کھایا کرتا تھا، عطاء اللہ کے ہوٹل میں دو روٹیاں کھا لیتے، یہی ہمارا عشائیہ تھا، میں تیز تیز چلتا ہوا جامعہ کے احاطے سے باہر نکل آیا، مجھے مولانا حفیظ الرحمٰن اعظمی عمریؔ سے ملاقات کرنی تھی، ان کے مکان کی جانب میں گامزن ہوں، احسان خان S.T.D میں بیٹھے ہوئے نظر آئے، ''حفیظ صاحب کے پاس چل رئیں؟'' میں نے استفسار کیا۔ ''چلو'' احسان خان کا جواب تھا۔ یہ مولانا کا مکان ہے، ہم نے آہستہ سے دروازہ کھٹکھٹایا، ''کون؟'' اندر سے آواز آئی۔ ایک طالب علم نے دروازہ کھولا، ہم مسکراتے ہوئے سلام کرتے ہوئے اندر داخل ہوئے، مولانا نے مسکراتے ہوئے ہمارا استقبال کیا، نمکین چیزیں پیش کیں، اگر چہ کہ ہم نے بے حد انکار کیا، اپنے مہمانوں کی تواضع کرنے کو وہ بے حد ضروری خیال کرتے ہیں، مولانا سے ترمذی، مصطلح پڑھنے کا اتفاق ہوا، حال ہی میں آپ کی

تصنیف ''ارض حرم میں پہلا قدم'' منظر عام پر آئی ہے، میری یہ شدید خواہش تھی کہ مولانا کے محفوظات جو راہ اعتدال میں قسطوار شائع ہوئے ہیں، ان کو کتابی شکل دوں، اللہ کا شکر ہے کہ جامعہ والوں نے یہ کام دیر سے ہی سہی انجام دیا، مولانا کے اسلوب سے میں ہی نہیں جامعہ دارالسلام کا ہر طالب علم متأثر ہے، میرے پاس خود محفوظات کی تمام قسطیں محفوظ ہیں، دو تین مرتبہ اس کتاب کو پڑھنے کے باوجود پھر پڑھنے کا جی چاہتا ہے، اس کے علاوہ آپ نے کئی ایک عربی کتابوں کا ترجمہ کیا ہے۔

عربی ادب اور اردو ادب کا آپ نے گہرائی سے مطالعہ کیا ہے، ابتدائی دور میں مولانا طٰہٰ حسین سے بے حد متأثر تھے، طٰہٰ کی تمام کتابیں آپ کو محفوظ تھیں، پھر اللہ کا کرم ہوا کہ آپ نے مصطفیٰ صادق رافعی کو پڑھا، طٰہٰ کی اغلاط اور طٰہٰ کے تسامحات آپ پر واضح ہوئے، طٰہٰ حسین کا میں نے جامعہ دارالسلام سے قبل صرف نام سن رکھا تھا، نہ اس کی کسی تحریر کو پڑھنے کا اتفاق ہوا، نہ اس کی شخصیت پر سے پردہ اٹھا مگر مولانا کی زبانی طٰہٰ حسین کے بارے میں کافی تفصیلات معلوم ہوئیں، انہیں معلومات کو سامنے رکھ کر میں نے ''طٰہٰ حسین! بدنصیب ذہین'' کے عنوان سے ایک مضمون لکھا جو سالار ویکلی کے ساتھ کئی رسالوں میں شائع ہوا۔

جامعہ دارالسلام میں داخلے سے قبل مولانا کو محفوظات کے توسط سے ہی جانتا تھا، شخصیت کے خدوخال واضح نہیں ہوئے تھے، جب ملاقات ہوئی تو آپ کی شخصیت سے، عادات واطوار سے، طرز گفتگو سے کافی متأثر ہوا، جب کبھی راہ اعتدال میں آپ کی تحریریں دیکھتا ہوں تو اس تأثر میں مسلسل اضافہ ہوتا جاتا ہے۔

آپ کو اللہ تعالیٰ نے بولنے اور لکھنے پر یکساں قدرت دی ہے، آپ جو بولتے ہیں وہ لکھتے ہیں اور جو لکھتے ہیں وہ بولتے ہیں، جامعہ کے کسی اجلاس میں آپ خطاب کرتے ہیں تو لگتا ہے کہ پھول جھڑ رہے ہیں، ناچیز نے کئی بار آپ کو سنا اس کے باوجود آپ کو سننے کی تمنا اور آرزو اب بھی اپنے دل میں رکھتا ہوں۔

بڑے بڑے علماء کو آپ نے دیکھا ہوگا کہ ان کے کچھ تفردات ہوتے ہیں، جیسے علامہ ناصر الدین البانی، ابن حزم اندلسی وغیرہ کے تفردات ہیں، مولانا حفیظ الرحمٰن اعظمی عمری مدنی کے بھی کچھ تفردات ہیں، اب ہم اس کے بارے میں گفتگو کرنا مناسب نہیں سمجھتے کہ آخر وہ تفردات کیا ہیں؟ مگر اتنا ضرور ہے کہ وہ اپنے تفردات کے حق میں بڑے زبردست دلائل بھی رکھتے ہیں۔

آپ تھوڑے سے نازک مزاج واقع ہوئے ہیں، کلاس میں آپ جب بھی آتے ہیں آپ کے جانے تک ایک تناؤ کی کیفیت محسوس ہوتی ہے، بظاہر آپ ہنستے مسکراتے رہتے ہیں مگر کبھی کسی معمولی بات پر بھی بے حد غصے میں آ

جاتے ہیں، اس لیے ہم آپ کی کلاس میں حد درجہ محتاط رہتے ہیں، آپ سے ملاقات کے وقت بھی تقریباً یہی کیفیت ہوتی ہے۔

آپ الجامعۃ الاسلامیۃ مدینہ منورہ کی پہلی بیچ کے فارغ ہیں، علامہ احسان الٰہی ظہیر مدینہ منورہ میں آپ کے ساتھی رہ چکے ہیں، فراغت کے بعد آپ نے چند دن سہ روزہ دعوت میں بھی کام کیا، کئی ایک کتابوں پر تبصرے لکھے، اس کا تفصیلی تذکرہ ''ارض حرم میں پہلا قدم'' میں آپ نے کیا ہے، طالب علمی کے زمانے میں بڑے بڑے مشاہیر سے آپ کے تعلقات رہ چکے ہیں، غلام رسول مہر سے مستقل خط وکتابت تھی، ''غبار خاطر'' کے طرز پر غلام رسول مہؔر کی سوانح حیات ترتیب دینا چاہتے تھے، پھر نہ جانے کیا ہوا؟ آپ نے یہ کام مکمل نہیں کیا، جامعہ دارالسلام کی خاص بات یہ ہے کہ یہاں مولانا آزؔاد کے شیدائیان کی کثرت ہے، طلباء اور اساتذہ آزؔاد کی کتابیں پڑھتے ہیں، ان کے سحر میں گرفتار ہیں، مولانا بھی مولانا آزؔاد کے بڑے معتقد ہیں، ان کے خلاف ایک لفظ بھی سننا انہیں گوارا نہیں، اگر کوئی آپ کے سامنے مولانا آزؔاد کے خلاف ایک لفظ بھی بولتا ہے تو اس کی دھجیاں بکھیر کر رکھ دیتے ہیں، جب میں نے اپنی کتاب ''دس عالم شعراء'' مکمل کی تو مولانا حفیظ الرحمٰن اعظمی عمری کو ایک نظر دکھانے کے لیے گیا، مگر مولانا آزؔاد کی تاریخ وفات میں نے غلط لکھ دی تھی، ان کی صحیح تاریخ وفات ۱۹۵۸ء ہے اور میں نے ۱۹۵۷ء لکھ دی تھی، آپ نے غلطی کی نشاندہی کی تو میں نے کہہ دیا کہ نہیں! ۱۹۵۷ء ہی صحیح ہے، آپ نے فوری طور پر خلیق انجم کی مرتبہ کتاب دکھائی جس میں مولانا آزؔاد کی تاریخ وفات ۱۹۵۸ء لکھی ہوئی تھی، پھر آپ نے کہا ''مولانا آزاد کے بارے میں، ہم اتنی بڑی غلط فہمی کا شکار ہوں، یہ ناممکن ہے''۔ ناچیز کو اپنی غلطی پر بضد رہنے پر بڑی ندامت ہوئی۔

عشاء کی نماز کا وقت ہوا چاہتا ہے، اذان ہو رہی ہے، ہم دونوں مولانا کے یہاں سے رخصت ہوئے، طلباء عموماً عشاء کے قریب سڑک پر چہل قدمی کرتے ہوئے گپ شپ میں مصروف، چائے پیتے ہوئے، فون کرتے ہوئے ملیں گے، بعض طلباء سونے سے قبل دودھ پینا ضروری خیال کرتے ہیں، وہ دودھ والے سے دودھ لا رہے ہیں، ہمارے عارف الحق صاحب بھی ایسے ہی طالب علم ہیں، جو روزانہ سونے سے قبل دودھ پینے کو لازم خیال کرتے ہیں، وہ دودھ لے کر دوڑتے ہوئے آرہے ہیں، ہم تیز تیز چلتے ہوئے مسجد کی طرف جا رہے ہیں، شاید نماز میں ابھی دو منٹ باقی ہیں، جلدی سے کمرے کا رخ کرنا ہے، اپنی کتابیں لینی ہیں، مسجد جانا ہے، عشاء کے بعد مسجد کے صحن میں عشاء کا ہال ہوتا ہے، جس میں ہم اپنے تازہ پڑھے ہوئے اسباق کا اعادہ کرتے ہیں، عشاء سے قبل عموماً طلباء کمروں سے اپنی کتابیں لے کر آتے ہیں، عشاء کے بعد کتابیں لانے کی اجازت نہیں ہے، یہ کلیہ صرف کلیہ کے

طلباء کے لیے ہے، ثانویہ کے طلباء کا ہال انہیں کی بلڈنگ میں منعقد ہوتا ہے، اس لیے وہ اس کلیے سے مستثنیٰ ہیں۔

چنانچہ تکبیر تحریمہ کے وقت ہم وضو کرکے مسجد میں داخل ہوگئے، طلباء جلد از جلد جماعت میں شامل ہونے کی کوشش کررہے ہیں، قاری صاحب آج لمبی قرأت فرمارہے ہیں، تقریباً تمام طلباء پہلی رکعت میں امام صاحب کے ساتھ شامل ہوگئے، چہارگانہ ادا کرنے کے بعد طلباء تسبیحات میں مصروف ہیں، بعض طلباء مراقبے میں جانے کے لیے پر تول رہے ہیں، کیونکہ عشاء سے قبل کھانا کھاکر ٹہلتے ہیں تو غنودگی کی کیفیت طاری ہوجایا کرتی ہے، سنت پڑھنے والے سنت پڑھ رہے ہیں، نفل ادا کرنے والے نفل ادا کررہے ہیں، مراقبے میں جانے والے طلباء یوں بیٹھے ہوئے ہیں جیسے ذکر کررہے ہوں، مؤذن صاحب نے مسجد کی لائٹیں بند کردی ہیں، دعا کرنے والے خوب خشوع وخضوع کے ساتھ دعا کررہے ہیں، طلباء طلباء آہستہ آہستہ مسجد کے صحن میں اکٹھا ہورہے ہیں، اپنی کتابیں لیے ہوئے اپنے متعینہ مقام پر بیٹھ رہے ہیں، باری پڑھانے والے طلباء پوری تیاری کو ساتھ آئے ہوئے ہیں، ہماری جماعت میں شکیب عالم، مظہر، ناصرالدین محمد، اسماعیل کروٹلہ باری پڑھاتے تھے، ناصرالدین محمد، عارف الحق، ظہیر دانش، عبیداللہ اور احمد بن محمد ایک باری میں بیٹھتے تھے، ناصر تیزی سے ساری کتابیں پڑھادیتے، اس کے بعد باتوں کا دور چلتا جو عشاء کے ہال کے ساتھ ختم ہوتا، چھوٹی چھوٹی باتیں ہوتیں، لطیفوں کا دور چلتا، واقعات گوش گذار کیے جاتے، لیکن یہ معمول عام دنوں کا تھا، امتحانات قریب ہوتے تو یا تو ساتھ مل کر پڑھ کررہے ہوتے یا الگ الگ بہر حال! باتوں کا دور نہ چلتا، اگر مطالعے والی کتاب ہوتی تو بڑی تیزی سے مطالعہ کرتے، ہر کتاب کے دو تین دورے ہوتے۔ کبھی ایسا بھی ہوتا کہ میرے اور ساتھی تو باتوں میں مصروف ہیں اور مجھے نیند کی دیوی نے آگھیرا اور خوابوں کی دنیا کی سیر کرانے لگی، اور یہ نیند تبھی منقطع ہوتی جب ہال ختم ہوتا، ہم سے ذرا سے فاصلے پر ہمارے آسامی بھائی بلال الدین صاحب کوئی کتاب بڑے زوروں میں رٹ رہے ہیں، ان کی پریشانی یہ تھی کہ عموماً وہ سمجھے بغیر رٹا کرتے تھے، رٹنے کے حوالے سے ہمارے چہارم کے ساتھی برہان الدین کا ایک لطیفہ ہمیں جب بھی یاد آتا ہے بے ساختہ ہنسی چھوٹ جاتی ہے، ہوا یوں کہ ایک مرتبہ وہ مرقات کی ایک عبارت رٹ رہے تھے، عبارت تھی: اعلم ان ارسطا طالیس الحکیم دون ھذا الفن اور وہ پڑھ اس طرح سے رہے تھے: اعلم ان ارسطاطا یہاں رک کر لیس بحکیم ، ان کی اس حرکت کے نتیجے میں ارسطو جیسا عظیم فلسفی غیر حکیم ٹھہرتا تھا۔ حالانکہ جہاں تک رٹنے کا سوال ہے جامعہ میں رٹنا معیوب نہیں سمجھا جاتا تھا، عام طور پر یہ بات مشہور ہے کہ جامعہ کے طلباء کسی امتحان میں کامیاب ہونے کے لیے صرف تین دن کافی سمجھتے ہیں، اور بعض طلباء تو اتنے ذہین ہیں کہ ان کے لیے ایک رات ہی

کافی ہے، افضل العلماء کا امتحان ہم لوگ بغیر کتاب دیکھے لکھ کر آتے تھے اور ممتاز نمبرات سے پاس بھی ہوتے تھے، تجربہ شاہد ہے کہ جامعہ کا ادنیٰ طالب علم بھی جب دیگر جامعات کا رخ کرتا ہے تو وہاں امتیازی نمبرات حاصل کر لیتا ہے، یہی وجہ ہے کہ آج بھی جامعہ اسلامیہ مدینہ منورہ میں عمری طلباء بڑی قدر کی نگاہ سے دیکھا جاتا ہے، عمری برادران کی وہاں ایک امیج بن گئی ہے جسے ہمارے بھائیوں نے کبھی خراب ہونے نہیں دی۔

عشاء کا ہال ختم ہو چکا ہے، طلباء اپنی کتابیں سنبھالے ہاسٹل کا رخ کر رہے ہیں، عارف الحق، ناصر الدین محمد، احمد بن محمد، عبید اللہ اور ناچیز بھی ہاسٹل کی جانب رواں دواں ہیں، ہم ہاسٹل میں داخل ہو گئے، عشاء کا ہال دس بجے ختم ہوتا ہے، دس سے گیارہ بجے تک کل ایک گھنٹہ مطالعہ کے لیے یا گپ شپ کے لیے مخصوص ہوتا، عموماً ہم لوگ یعنی ناصر الدین محمد، ظہیر دانش، عارف الحق کے کمرے میں جمع ہو جاتے، ابوبکر امین بھی اسی کمرے کے مکین تھے جو اپنی شرارتوں میں مصروف رہتے، کبھی عارف الحق کو پریشان کر رہے ہیں تو کبھی مجھے کسی جملے سے نواز دیتے ہیں، کبھی ناصر الدین محمد کی طرف کوئی چٹپٹا سا جملہ اچھال دیتے ہیں، بہر کیف! یہ ایک گھنٹہ یوں ہی ہنسی مذاق میں گذر جاتا، اگر آم کا موسم ہوتا تو کم از کم دو تین کلو آم ضرور لائے جاتے جن کے ساتھ انصاف کرنا ہمیں خوب آتا تھا، عارف الحق آم کاٹ کاٹ کر پلیٹ میں رکھتے جاتے اور ہم نوش کرتے جاتے، مگر عارف الحق بھی کم ہوشیار نہیں تھے جناب! وہ ہاتھ کے ساتھ منھ بھی چلاتے رہتے، ہماری اس محفل میں احسان خان کی حاضری بھی لازمی تھی۔

عارف کے کمرے سے متصل شکیب عالم کا کمرہ تھا، جس میں ارشاد (آدھونی) اور احمد بن محمد (حیدرآباد) بھی رہتے تھے، ہنسی مذاق میں، ایک دوسرے کو تنگ کرنے میں ان کا جواب نہیں، اکثر ان کے کمرے سے قہقہے کی آوازیں سننے کو ملتیں، ارشاد صاحب ہر شخص سے بہت جلد گھل مل جاتے، بڑے ہمدرد مزاج واقع ہوئے ہیں، میرے لکھنے پڑھنے کے ذوق کو وہ بڑا پسند کرتے تھے، میری حوصلہ افزائی کرتے رہتے تھے، حالانکہ میرے بیشتر ساتھی ادب سے میرے لگاؤ کو بہت زیادہ پسندیدگی کی نگاہ سے نہیں دیکھتے تھے، لیکن میں یہ سوچ کر مطمئن ہوں کہ ہر انسان کا سوچنے اور سمجھنے کا اپنا اپنا نظریہ ہوتا ہے، ضروری نہیں کہ ایک چیز مجھے پسند ہو تو وہ باقی لوگوں کو بھی مرغوب ہو۔

۱۱ بج گئے، مولانا ابوالفضل متنبہ کرتے ہوئے آ رہے ہیں کہ ''گیارہ بج چکے ہیں، لائٹ آف کر دیں'' میں اپنے کمرے کی طرف چلا آیا، کمرے کے ساتھی آر محمد یعقوب پٹیل، احمد اللہ، ناصر الدین محمد، ہدایت اللہ، افضال احمد اعظمی اپنے اپنے بستروں پر دراز ہیں، میں بھی اپنے بستر پر جاتا ہوں، آہستہ سے اپنا سر تکیے پر رکھتا ہوں، ''لائٹ

آف کر دیں؟'' افضال کی آواز گونجتی ہے۔ ''ہاں'' کمرے کے ساتھی مجموعی طور پر آواز لگاتے ہیں، لائٹ آف ہو جاتی ہے، میری آنکھیں دھیرے دھیرے خوابوں کے جہان کی سیر میں مصروف ہو جاتی ہیں۔

۞۞۞

ڈاکٹر سید وصی اللہ بختیاری عمری
شعبۂ اردو، گورنمنٹ آرٹس کالج، کڈپہ

جامعہ دارالسلام کا ایک دن - ایک ناسٹیلجیائی تحریر

برادرِ عزیز حافظ محمد ظہیر دانش عمری کڈپوی کا شمار ہمارے ان معاصر قلمکاروں میں ہوتا ہے جنہوں نے اپنے ادبی کمالات سے اہلِ ادب کو اپنی جانب متوجہ کیا اور اپنی صلاحیتوں کا اعتراف کروایا۔ ان کا ادبی ذوق مادرِ علمی جامعہ دارالسلام عمرآباد کی علمی و ادبی فضا میں پروان چڑھا۔ ان کی مسلسل محنت اور ذوق مطالعہ نے صلاحیتوں کو جلاء بخشی اور صیقل آشنا کیا۔

ظہیر دانش عمری کے رشحاتِ قلم طالب علمی کے زمانے ہی سے رسائل و جرائد میں مسلسل شائع ہوتے رہے ہیں۔ ہند و بیرون ہند ممتاز ادباء و شعراء سے ان کے خاص روابط و تعلقات ہیں۔ جامعہ میں طالب علمی کے زمانے میں ان کی ڈاک قابلِ لحاظ حد تک متاثر کن ہوتی تھی۔ مشاہیر اہلِ علم و ادب سے ان کی ادبی مراسلت اور خط و کتابت رہتی تھی۔ طالب علمی ہی کے زمانے سے ان کی تنقیدی آراء اور ادبی تبصروں کو بعض معتبر اور معمّر قلمکار بھی قابلِ اعتناء اور لائقِ التفات گردانتے تھے۔ ان کا مطالعہ نہایت وسیع، حافظہ قوی، استدلال عمدہ اور برمحل گفتگو، نیز ادبی نقد و انتقاد کے سلسلے میں اصابتِ فکر و نظر، شعر و ادب کے رموز سے آشنائی اور اہلِ ادب سے شناسائی نے ان کی شخصیت کے خد و خال نمایاں کئے ہیں جن سے یہ متبادر ہوتا ہے کہ یہ ایک مشاق، تجربہ کار، کہن سال قلمکار ہیں۔

مادرِ علمی جامعہ دارالسلام عمرآباد میں طالب علمی کے زمانے ہی میں طلبہ کے قلمی مجلّہ ماہنامہ تنویر کے اس لائق و فائق مدیر ظہیر دانش کو فی الواقع اپنے اساتذۂ کرام کی توجہات و عنایات حاصل رہیں۔ حضرت مولانا حبیب الرحمٰن زاہدؔ اعظمی عمری رحمہٗ اللہ سے عقیدت و محبت کا ایسا رشتہ قائم ہوا کہ ان کی صحبتیں میسر آئیں۔ ان کی مجلس میں حاضری کے مواقع نصیب ہوئے اور ان کے گرامی قدر مشورے مشعلِ راہ بنے۔ جامعہ سے فراغت کے بعد بھی ملاقاتوں کے حاضری اور ان سے خط و کتابت کا سلسلہ جاری رہا۔

حضرت علامہ مولانا حفیظ الرحمٰن اعظمی عمری مدنی رحمہٗ اللہ سے بھی ظہیر دانش عمری کے نہایت عقیدت و

محبت اور احترام کا رشتہ استوار تھا۔ ان کے علمی و ادبی سوالات پر حضرت الاستاذ رحمۃ اللہ مسکراتے اور علمی گفتگو کا سلسلہ چل نکلتا۔ یہ ان کی خورد نوازی اور کرم نوازی تھی کہ دورانِ گفتگو ان ایسے طلبہ قدرے بے باک اور بے تکلف بھی ہو جاتے تھے لیکن اس کے باوجود ادب و احترام ملحوظِ خاطر رکھا جاتا ہے۔

مادر علمی جامعہ دار السلام' عمر آباد کی طالب علمی کے دور ہی میں ان کی کتاب ''دس عالم شعراء'' 2006 میں منظرِ عام پر آئی۔ بعد ازاں ان کے تنقیدی مضامین کا مجموعہ ''تا بہ فلک'' 2009ء میں شائع ہوا، جس پر انہیں اردو اکیڈیمی کا انعام اور ایوارڈ بھی دیا گیا۔ انہوں نے ایک کتابی سلسلہ ''ارتعاش'' کے نام سے جاری کر کے ادبی دنیا کو مرتعش کر دیا۔ ''اوزانِ عرب'' اور ''زمیں پر بنے آسماں کیسے کیسے؟'' کے علاوہ کئی ایک کتابیں زیر ترتیب و طباعت ہیں۔ علاوہ ازیں ملک و بیرون ملک سے شائع ہونے والے مؤقر ادبی رسائل و جرائد میں ان کے مضامین و مقالات شائع ہوتے رہتے ہیں۔ ادبی سیمیناروں اور کانفرنسوں میں بھی شرکت کرتے رہتے ہیں۔

مادرِ علمی جامعہ دار السلام عمر آباد میں اپنی طالب علمی کے زمانے کی ایک دن کی یادوں پر مشتمل ظہیر دانش عمری کا یہ مضمون، ان کی اہم کاوش ہے۔ اس کا اسلوب نہایت شستہ و شائستہ، دلکش اور حسین ہے۔ ان کی تحریر میں ایک دلکشی اور دلآویزی ہے جو پڑھنے والے کو اپنی گرفت میں رکھتی ہے اور تحریر کو ختم کرنے تک اپنی جانب متوجہ رکھتی ہے۔ "جامعہ دار السلام کا ایک دن" کے مطالعہ کے دوران ایسا محسوس ہوتا ہے کہ ہم بھی ان کے ساتھ ساتھ ہیں۔ جامعہ کے دوستوں کے ساتھ بے تکلف گفتگو ہو یا دیگر مشاغل میں ہم بھی ان کے آس پاس کہیں موجود ہیں اور سب کچھ دیکھ رہے ہیں۔ اس تحریر میں جذبات نگاری، کردار نگاری، منظر نگاری اور مکالمہ نگاری کے عمدہ مرقعے ملتے ہیں۔ ان کا بیانیہ اسلوب نہ صرف دلچسپ ہے بلکہ دل موہ لینے والا ہے۔

مادرِ علمی جامعہ دار السلام عمر آباد کے ابنائے قدیم اور طلبہ جامعہ کے لیے بھی یہ مضمون خاصے کی چیز ہے۔ نماز فجر سے رات گیارہ بجے تک، مسجد میں، کلاس میں، لائبریری میں، مطعم میں، اس مضمون کے مطالعہ کے دوران اپنی اپنی یادوں میں کھو جاتے ہیں۔ ہمیں اپنے دوست احباب، ہمارے کمرے کے ساتھی اور ہمارے چائے نوشی کے ساتھیوں کی یاد تازہ ہو جاتی ہے۔ صرف ایک دن کی یادوں پر مشتمل اس تحریر کے مطالعہ کے دوران خود ہماری اپنی یادوں کے جزیرے ہمیں آواز دینے لگتے ہیں، یادوں کے جھروکے کھل جاتے ہیں اور ہماری یادیں پوری قوت کے ساتھ آوازوں کی شکل میں ہمارے کانوں میں گونجنے لگتی ہیں۔ یہ ایک ناسٹیلجیائی کیفیت ہے۔ عمری برادران اس

کتاب کے مطالعے کے دوران یقیناً ان کیفیات اوراحساسات سے دوچار ہوں گےاوراپنی اپنی یادوں کی دنیا میں برپا ہونے والےتموّج کومحسوس کریں گے۔

یادش بخیر! یہ کوئی ایک دہائی قبل کی بات ہے کہ مولانا ڈاکٹر محمد اکرم ندوی،(سابق استاذِ دارالعلوم ندوۃ العلماء لکھنؤ،سابق ریسرچ فیلو،آکسفورڈ اسلامک سینٹر،) کی ایک کتاب "ندوہ کا ایک دن" کے نام سے ندوی بک ڈپو،لکھنؤ سے شائع ہوئی تھی۔ میں نے برادرم ظہیر دانش عمری سے اس کتاب کا سرسری تذکرہ کرتے ہوئے کہا تھا کہ آپ بھی مادرِ علمی جامعہ دارالسلام عمرآباد کی یادوں پر مشتمل ایک دن کے مشاغل اور مصروفیات نیز یکروزہ سرگرمیوں پر مشتمل اپنی یادوں کوقلمبند کرتے ہوئے اپنی یادداشت کے دستخط ثبت کردیں۔

مسرت آمیز حیرت کی بات یہ تھی کہ انہوں نے مذکورہ کتاب کو دیکھنے کے بجائے ایک ہی نشست میں یہ تحریر لکھ کر مجھے ای میل پر بھیج دی۔تحریر دیکھ کر میں نے کہا کہ آپ نے اپنے دوستوں کے نام لکھے ہیں، انہیں کوئی اعتراض تو نہیں ہوگا۔ کہا کہ سب کچھ حقیقت پر مبنی ہے، خلافِ واقعہ کچھ بھی نہیں ہے۔ یہ سب میرے کشادہ دل دوست ہیں اور عام طور پر ہر عمری بھائی برداشت کی صلاحیت رکھتا ہے۔

اب میرا اور شیخ اسماعیل بن شیخ افضل عمری فتح دروازہ والاؔ کا اصرار تھا کہ اسے منظر عام پر آنا چاہیے۔قبل ازیں یہ تحریر دیگر مضامین کے ساتھ متحدہ آندھرا پردیش اسٹیٹ اردو اکیڈیمی، حیدرآباد کے اشتراک سے شائع ہو چکی ہے۔ غالباً یہ 2012ء کی بات ہے۔ ''جامعہ دارالسلام عمرآباد کا ایک دن اور دیگر مضامین'' یہ کتاب اب چوں کہ عدم دستیاب تھی، ہمارے مطالبہ پر برادرم ظہیر دانش عمری اسے دوبارہ کتابی صورت میں شائع کررہے ہیں۔ ربِ کریم ان کی توفیقات میں اضافہ فرمائے اوران کی علمی وادبی سرگرمیوں کا سلسلہ تادیر جاری رہےاور دوعالم میں سرخروئی نصیب فرمائے۔آمین۔